[illegible]

[illegible]

دیوانِ حالی

مصنفہ

شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی پانی پتی مرحوم

جس میں

قطعات غزلیات قصیدے مرثیے ترکیب بند رباعیاں

تاریخیں اور متفرق اشعار شامل ہیں

شیخ مبارک علی تاجر کتب

اندرون لوہاری دروازہ لاہور

نے

[illegible]

[illegible]

[illegible] مہ

شرح دیوان [illegible] سے
[illegible] حسین صاحب [illegible]
[illegible]
قیمت چار روپے - [illegible]

ترجمہ رسائل طغرا - عہ
[illegible] بنسی سار حضرت
غالب مرحوم قیمت ۸ر
[illegible] علامہ اقبال
کی [illegible] ڈاکٹر صاحب
انجمن کے [illegible] سالانہ
جلسے میں پڑھی - ۴ر
فریاد امت - [illegible]
شکوہ نظم - - ۳ر
[illegible] از علامہ اقبال
[illegible]
[illegible] - - [illegible]

سسی پنوں [illegible] قیمت
[illegible]
قیمت چار آنہ - - ۴ر
لمعات الرحمٰن - [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] فارسی [illegible] ۸ر
حکیم ثنائیات - - ۴ر
یوسف شاہ سرج [illegible]
ترجمان فارسی [illegible]
[illegible] انگریزی [illegible]
[illegible] حصہ اول عہ
دوم - - - [illegible]
رسالہ [illegible] کی دوسری [illegible]
جلدوں کا انتخاب عہ
[illegible] حصہ سوم - - ۲ر
[illegible] شیخ عبدالقادر
[illegible]
[illegible] قیمت [illegible]

دیوان [illegible]
[illegible] از [illegible] پنجاب
[illegible] قیمت - - ۱ر
[illegible] ذوق [illegible]
[illegible] پنجاب [illegible]
قیمت صرف - - ۱ر
مقالات - [illegible]
فارسی [illegible]
میں آچکے ہیں قیمت [illegible]
[illegible]
کتاب [illegible] ۲ر
بحر العروض [illegible]
قیمت ۴ر
[illegible] شیخ
کے حالات زندگی [illegible]
الفاروق - سوانح عمری حضرت
عمر - قیمت صرف - [illegible]
[illegible] نظیری [illegible]
[illegible] ایم اے [illegible]

۲۷۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے ہنر اپنا
کچھ کذب افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے

ایک زمانہ تھا کہ شاعری اور عشق یا تعشق کو لازم و ملزوم سمجھتے تھے اور ایسا سمجھنا کچھ بیوجہ نہ تھا۔ اوّل تو شعر کا حدوث ہی دُنیا میں اُس جوش اور ولولہ سے ہوا ہے جو عشق اور محبت کی بدولت انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے۔ اور شعر کی ذات میں جو ایک آتشگیر مادہ ہے۔ وہ بھی اپنے مشتعل ہونے میں کسی آگ یا اشتعالک کا محتاج ہے۔ پھر قوم[1] کا کلام بھی جہاں تک دیکھا گیا ہے۔ اِسی خیال کی تائید کرتا تھا۔ بایں ہمہ حداثتِ سن یہ کب اجازت دیتی تھی کہ شاہد رعنائے سخن کا نظارہ ایک پیرزال کی صورت میں کیا جائے اور شراب ارغوانی کی جگہ سرکہ بے نمک سے ضیافت طبع کی جائے۔ غرضیکہ ایک مدت تک یہ خیال رہا کہ عاشقانہ شعر کے سوا کوئی کلام پسند نہ آتا تھا۔ بلکہ جس شعر میں یہ چاشنی نہ ہوتی تھی۔ اِس پر شعر کا اطلاق کرنے میں بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ خود بھی جب کبھی یہ سودا اُچھلا آنکھیں بند کیں اور اُسی شارع عام پر چل لئے جس پر رہگیروں کا تانتا بندھا ہوا تھا "قافلہ کا ساتھ راہ

[1] قوم سے یہاں اُس کے متعارف معنی مراد نہیں ہیں۔ بلکہ یہاں قوم سے مراد شعرا ہیں +

کی ہمواری اور رہ گذر کی فضا چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے کا کبھی خیال بھی نہ آیا مگر جب آفتاب عمر نے پلٹا کھایا اور دن ڈھلنا شروع ہوا، تمام سیمیائی جلوے جو خواب غفلت میں حقائق سے زیادہ دلفریب نظر آتے تھے۔ رفتہ رفتہ کافور ہونے لگے غزل و تشبیب کی اُمنگ انفعال کے ساتھ بدل گئی۔ اور جس شاعری پر ناز تھا اُس سے شرم آنے لگی۔ ہر چند سمجھا گیا کہ غزل کہنے کے دن اب آئے ہیں۔ مگر یہی جواب دیا گیا۔ کہ غزل کہنے کے دن اب گئے۔

یقولون ھل قبل الثلثین ملعبٌ فقلت وھل بعد الثلثین ملعب[1]

جو لوگ عاشقانہ گوئی کے چٹخارے سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ خون جہاں مُنہ کو لگا پھر ذرا مشکل سے چھُٹتا ہے مگر زمانہ کی ضرورتوں نے یہ سبق پڑھایا کہ دلفریب مگر نکمّی باتوں پر آفرین سے دلشکن مگر کام کی باتوں پر نفرین سننی بہتر ہے اور حالتِ وقت نے یہ حکم دیا کہ پروانہ و بلبل کی قسمت کو بہت رو چکے کبھی اپنے حال پر بھی دو آنسو بہانے ضرور ہیں

یک رہ بحالِ خویش ہم آخر تواں گریست تا چند بر فلان و بہ بہمان گریستن

کچھ نظمیں قوم کی حالت پر لکھی گئیں۔ بعضوں نے پسند کیں اور بعضوں نے ناپسند مگر چوٹ سب کے دل پر لگی۔ کہانی بے مزہ تھی مگر آپ بیتی۔ اور باتیں اوپری تھیں مگر پتے کی جو نظمیں کسی قدر طولانی تھیں۔ وہ تقریباً تمام چھپ چکی اور شائع ہو چکی ہیں۔ اب زیادہ تر

---

[1] یعنی لوگ کہتے ہیں کہ کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس سے پہلے ہے؟ سو میں نے اِن سے کہا کیا لہو و لعب کا زمانہ تیس برس کے بعد ہے؟"

کچھ بچے کھچے متفرق اور پراگندہ خیالات باقی ہیں۔ جن میں سے کسی قدر قطعہ و رباعی کے لباس میں اور کچھ غزل کے روپ میں ظاہر کیئے گئے ہیں۔ اِن کے سوا چند ترکیب بند ایک آدھ مسمط۔ کچھ قصیدے اور کچھ تاریخیں ہیں۔ جن میں سے اکثر خاص خاص طور پر وقتاً بعد وقت شایع ہو چکی ہیں۔ لیکن مصنف کی طرف سے عام طور پر پبلک کی نذر نہیں ہوئیں پہلا کلام جو عالم صبو و نادانی یا خلاصۂ زندگانی کی نشانی ہے۔ وہ بھی کسی قدر تلف ہو جانے کے بعد جس قدر بچا ہے اب تک محفوظ ہے۔ انسان کی طبیعت کا مقتضا ہے کہ جو کام اُس کی تھوڑی یا بہت کوشش سے سرانجام ہوتا ہے۔ عام اس سے کہ اچھا ہو یا بُرا اور پسند کے لائق ہو یا نہ ہو وہ اُس کو بڑے فخر کے ساتھ پیش کرنے کی جرأت کرتا ہے۔ اور خاص و عام سے اپنی کوشش کی داد چاہتا ہے۔ جس فخر کے ساتھ وہ اعرابی[1] جس نے کبھی آب شیریں کا مزا نہ چکھا تھا۔ ایک کھاری پانی کے چشمہ سے مشک بھر کر ہارون رشید کے دربار میں بطور سوغات کے لے گیا تھا۔ وہ اُس فخر سے

۱؎ یہ ایک مشہور حکایت کی طرف اشارہ ہے یعنی رشید کے زمانہ میں ایک بدوی جس نے کبھی دجلہ کے شیریں پانی کا مزا نہ چکھا تھا۔ اس کو صحرا میں ایک چشمہ ملا جس کا پانی اگرچہ دجلہ کے پانی سے کچھ نسبت نہ رکھتا تھا لیکن جیسا شور پانی کہ وہ بدوی ہمیشہ پیا کرتا تھا۔ اس سے کسی قدر میٹھا تھا۔ وہ خوشی خوشی اسکی ایک مشک بھر کر بغداد میں پہنچا اور خلیفہ کے دربار میں اسکو بطور ایک علق نفیس کے پیش کیا خلیفہ نے اسکو چکھا تو بالکل کھاری پانی تھا مگر اسکی بدمزگی بدوی پر ظاہر نہیں ہونے دی اور اُسکو انعام دیکر رخصت کیا اور حکم دیدیا کہ یہ شخص دجلہ کا پانی نہ پینے پائے۔ ورنہ اپنے دل میں شرمندہ ہوگا۔ ۱۲

کم نہ تھا۔ جو کلمبس امریکا دریافت کرکے ازبلا کے دربار میں اپنے ساتھ لایا تھا۔ بس یہ تمام مجموعہ جس میں کچھ نئے اور کچھ پرانے خیالات شامل ہیں۔ ایک امید موہوم پر کہ دیکھئے مردود ہو یا مقبول۔ ملک کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے اور پہلے اس سے کہ کوئی ہم پر ہنسے۔ ہم اپنے دعووں پر آپ ہنستے ہیں *

شاید ناظرین کو پچھلے زمانہ کے خیالات میں پہلے زمانہ کی بہ نسبت حقائق و واقعات کا کچھ زیادہ جلوہ نظر آئے۔ اور جیسی کہ امید کی جاتی ہے۔ اِن خیالات کو سچی شاعری کا نمونہ تصور کیا جائے۔ مگر یہ بات کہ جیسے یہ خیالات کانوں کو سچے معلوم ہوتے ہیں۔ ایسے سچے دل سے بھی نکلے ہیں یا نہیں خود ہم کو بھی معلوم نہیں۔ تا بدیگراں چہ رسد۔ جیسا کام محض سچے جوش اور ولولہ سے ہوتا ہے۔ ویسا ہی بلکہ بعض اوقات اُس سے بہتر محض شہرت اور ناموری کی خواہش۔ تحسین و آفرین کے لالچ۔ جذب منفعت کی توقع۔ یا کم سے کم اپنا دل خوش کرنے کے خیال سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور خود کرنیوالے کو اپنے کام کا منشا معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن اگرچہ ہم اُس وقت نہ ہونگے مگر زمانہ سچ اور جھوٹ کو اور دودھ اور پانی کو الگ کئے بغیر نہ رہے گا۔ سچ پھُولے گا اور پھلے گا۔ اور جھوٹ برسات کے سبزے کی طرح جلد نیست و نابود ہو جائے گا ؎

وکم قد راینا من فروع کثیرۃ ۔۔۔ تموت اذا لم تحیہن اصول[۱]

ناظرین کو معلوم رہے کہ جب کسی ملک یا قوم یا شخص کے خیالات بدلتے ہیں۔ تو

---

[۱] ترجمہ ہم نے وہ شاخیں اکثر سوکھی دیکھی ہیں جن کی جڑیں اس قابل نہ تھیں کہ اپنی شاخوں کو سرسبز رکھ سکیں ۱۲

خیالات کے ساتھ طرزِ بیان نہیں بدلتی۔ گاڑی کی رفتار میں فرق آجاتا ہے۔ مگر پہیا اور دھرا بدستور باقی رہتا ہے۔ اسلام نے جاہلیت کے خیالات بہت کچھ بدل دیئے تھے مگر اسلوب بیان میں مطلق فرق نہیں آیا۔ جو تشبیہیں اور استعارے پہلے مدح، ہجا، غزل اور تشبیب میں برتے جاتے تھے وہی اَب توحید۔ مناجات۔ اخلاق اور موعظت میں استعمال ہونے لگے۔ خاصکر شعر میں اِس بات کی اور بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ متاخرین قدیم شعرا کے بعض خیالات کی پیروی سے دست بردار ہو جائیں مگر اُن کے طریقۂ بیان سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ جس طرح کسی غیر ملک میں نئے وارد ہونے والے سیاح کو اِس بات کی ضرورت ہے کہ ملک میں روشناس ہونے اَور اہلِ ملک کے دِل میں جگہ کرنے کے لئے اسی زبان میں گفتگو کرنی سیکھے۔ اَور اپنی وضع صورت اور لباس کی اجنبیت کو زبان کے اتحاد سے بالکل زائل کر دے۔ اِسی طرح نئے خیالات کے شاعر کو بھی سخت ضرورت ہے کہ طرزِ بیان میں قدما کی طرزِ بیان سے بہت دُور نہ جا پڑے۔ اور جہاں تک ممکن ہو اپنے خیالات کو انہیں پیرایوں میں ادا کرے۔ جن سے لوگوں کے کان مانوس ہوں۔ اور قدما کا دل سے شکر گذار ہو جو اُس کے لئے ایسے منجھے ہوئے الفاظ و محاورات و تشبیہات و استعارات وغیرہ کا ذخیرہ چھوڑ گئے ۔

کچھ تعجب نہیں کہ اِس مجموعہ کو اور نیز اُن نظموں کو جو پہلے شائع ہو چکی ہیں دیکھکر ناظرین کو یہ خیال پیدا ہو۔ کہ اِن میں نئی کون سی بات ہے؟ نہ خیالات ہی ایسے اچھوتے ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گذرے ہوں۔ اور نہ طرزِ بیان ہی میں کوئی ایسی جدت جس سے

کبھی کان آشنا نہ ہوئے ہوں اور وہ یہ سمجھ کر بے اختیار پکار اٹھیں کہ۔ هٰذَا الَّذِی رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ پس اُن کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے کہ بیشک طرز ادا میں جیسا کہ ابھی بیان ہو چکا وہ بہت کم فرق پائیں گے۔ مگر خیالات میں ذرا بھی غور فرمائیں گے۔ تو ان کو ایک دوسرا عالم نظر آئے گا۔ وہ دیکھیں گے۔ کہ گو محل نہیں بدلے مگر محل نشین بدل گئے ہیں۔ اور گو پیالے وہی ہیں مگر شراب اور ہے۔

نئے خیالات سے ایسے خیالات ہرگز مراد نہیں ہیں جو کسی کے ذہن میں نہ گذرے ہوں۔ یا کسی کے ذہن کی اُن تک رسائی نہ ہو سکے۔ بلکہ ایسے خیالات مراد ہیں۔ جو شاعر و ناشاعر کے دل میں ہمیشہ گذرتے ہیں۔ اور ہر وقت اُن کے پیش نظر ہیں۔ مگر اِس وجہ سے کہ وہ ایسے پامال اور مبتذل ہیں۔ اُن کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا گیا۔ اور اُن کی طرف بہت کم التفات کیا گیا۔ اور پایۂ شاعری کو اُن سے وراء الوراء سمجھا گیا ہے لیکن فی الحقیقت شاعری کا بھید انہیں مبتذل خیالات میں چھپا ہوا تھا جو بسبب غایت ظہور کے لوگوں کی نظر سے مخفی تھا ؎

دیکھ اے بلبل فراگلبن کو آنکھیں کھول کر	پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے

انسان میں جیسا کہ ظاہر ہے ہرگز یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ کسی چیز کو عدم محض سے

؎ قرآن مجید میں مذکور ہے کہ جب اہل جنت کو کوئی جنت کا پھل کھانے کو دیا جائیگا۔ تو وہ کہیں گے هٰذَا الَّذِی رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ (یعنی یہ تو وہی ہے جو ہم کو پہلے دیا گیا تھا) کیونکہ جنت کے میوے صورت میں یکساں معلوم ہونگے۔ مگر ہر ایک کا مزہ اور لذت جدا ہو گی ۱۲

وجود میں لا سکے اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ وہ موجودات میں سے چند چیزوں کو ترکیب دیکر اُن میں ایک نئی صورت پیدا کر دے۔ بس جس طرح معمار عمارت تیار کرنے میں اینٹ مٹی اور چونہ کا یا بڑھئی ایک تخت کے بنانے میں لکڑی اور لوہے کا محتاج ہے اسی طرح ضرور ہے کہ شاعر بھی کسی شعر کے ترتیب دینے میں کسی ایسے مصالح کا محتاج ہو جو اینٹ اور مٹی یا لکڑی اور لوہے کی طرح نفس الامر میں موجود ہو وہ مصالح کیا ہے؟ یہی دنیا کے حالات جو روزمرہ ہماری آنکھوں کے سامنے گذرتے ہیں خواہ وہ انسان سے علاقہ رکھتے ہوں یا زمین۔ آسمان۔ چاند سورج۔ پہاڑ اور دریا جیسی شاندار چیزوں سے یا پتھر۔ مکڑی اور بھنگے جیسی بے حقیقت چیزوں سے۔ پس جس شاعر نے ان حالات کو معمولی باتیں سمجھ کر چھوڑ دیا۔ اور شعر کی بنیاد محض فرضی اور ناممکن باتوں پر رکھنی چاہی۔ اس کی مثال اُس معمار کی سی ہو گی جو عمارت بنانے کے لئے اینٹ اور مٹی کی کچھ ضرورت نہیں سمجھتا بلکہ ایسے مصالح کی ضرورت سمجھتا ہے۔ جس سے عمارت تیار نہیں ہو سکتی ع

ترسم نہ رسی بہ کعبہ اے اعرابی   کایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

الغرض جب سے شاعری کی لے کھلی معمولی افکار چھوڑ کر عنقا کی گھات میں بیٹھنا اور زمین پر ساگ پات کے ہوتے آسمان سے نزول مائدہ کا انتظار کرنا چھوڑ دیا زمانہ کے حالات دیکھ کر جو کیفیتیں نفس پر طاری ہوتی رہیں۔ اور جن واقعات کے سننے سے دل پر چوٹ لگتی رہی۔ اُن کو وقتاً فوقتاً اپنے سلیقہ کے موافق شعر کا لباس پہناتے رہے بعض خیالات بحسب ضرورت وقت اقوال سلف یا حکایات سلف سے اخذ کئے گئے۔ کہیں اُن کو اپنے حال پر رہنے دیا۔ اور کہیں اپنی طرف سے کچھ اضافہ کرکے

ایک نئی صورت میں جلوہ گر کیا گیا۔ بعض قطعات و رباعیات میں اخلاقی مضامین کنایہ میں ادا کیے گئے۔ جو شاید کہیں کہیں مطائبہ کی حد کو پہنچ گئے ہوں۔ مگر انوری وسعدی وشفائی کے مطائبات کے آگے یقیناً بے نمک معلوم ہوں گے۔ ریا ومکر وسالوس وعجب وخودپسندی اور اسی قسم کے اخلاق واعظ و زاہد وصوفی وشیخ وملا پر ڈھالے گئے۔ نہ اس لئے کہ نعوذ باللہ اس فرقۂ معینہ کی مذمت مقصود تھی۔ بلکہ اس لئے کہ ان اخلاق کے بیان کرنے کا اس سے واضح تر کوئی عنوان نہ تھا۔ سیاہی کا دھبا جیسا اجلے کپڑے پر صاف نمایاں ہوتا ہے ایسا میلے کپڑے پر نہیں ہوتا۔ ظلم اور بے انصافی کے مرتکب اپنی اپنی طاقت کے موافق فقیر اور بادشاہ دونوں ہوتے ہیں۔ مگر جب ظلم کو زیادہ ہولناک صورت میں دکھانا منظور ہوتا ہے تو ہمیشہ سلطنت کے لباس میں ظاہر کیا جاتا ہے اسی طرح ریا وعجب وخودپسندی اگرچہ ہر فرد بشر میں کم وبیش پائی جاتی ہے۔ مگر جب اُس کو علم وزہد ومشیخت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ تو وہ زیادہ تعجب انگیز اور ڈراونی صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور یہی شاعری کی علت غائی ہے +

شاعر جب اخلاقی مضامین بیان کرتا ہے تو اُس کو بضرورت اکثر نصیحت و پند کا پیرایہ اختیار کرنا پڑتا ہے اس لئے ہم کو بھی کہیں کہیں ناصح بننا پڑا ہے۔ مگر اصلی ناصح کی نصیحت اور شاعر کے ناصحانہ بیان میں بہت بڑا فرق ہے اصلی ناصح خود برائیوں سے پاک ہو کر اوروں کو اُن سے باز رہنے کی تاکید کرتا ہے۔ مگر شاعر چونکہ برائیوں کی بُو بو

تصویر کھینچکر دکھاتا ہے۔ اور گھر کے بھیدی کی طرح چھپے رستموں کے پتّرے کھولتا ہے۔ اس لئے سمجھنا چاہیئے کہ وہ زیادہ تر اپنے ہی عیب اوروں پر دھر کر ظاہر کرتا ہے۔ ہر بدی اور گناہ کا نمونہ کم یا زیادہ۔ پوشیدہ یا علانیہ انسان کے نفس میں موجود ہے۔ پس اگر بدی یا گناہ کے متعلّق کوئی پتے کی بات شاعر کی قلم سے مترشح ہو تو جاننا چاہیئے کہ وہ اپنے ہی نفس کی چوریاں ظاہر کر رہا ہے ؎

ہیں عاشقی کی گھاتیں معلوم اسکو ساری   حالی سے بدگمانی بیجا نہیں ہماری

شاید اس موقع پر شاعر کی طرف سے یہ عذر ہو سکے کہ اس میں فطرت انسانی کے دقائق و غوامض سمجھنے کا ایک خدا داد ملکہ ہوتا ہے۔ جس کی مدد سے بعض اوقات ایک رند مشرب اور خراباتی شاعر جس پر پرہیزگاری کی کبھی چھینٹ نہ پڑی ہو وہ پرہیزگاروں کی سوسائٹی کا ایسا صحیح نقشہ کھینچ دیتا ہے کہ خود اس سوسائٹی کے ممبر بھی اپنی سوسائٹی کا ویسا نقشہ نہیں کھینچ سکتے۔ اسی طرح ایک دوسرا شاعر جس نے پرہیزگاروں اور پارساؤں کے حلقہ سے کبھی قدم باہر نہیں رکھا وہ رندو اوباش کی صحبتوں کا ایسا چربا اتار دیتا ہے کہ گویا انہیں میں سے ایک نے اپنی حالت کی تصویر کھینچی ہے ابو نواس نے ہارون رشید خلیفہ سے ایک مصرع سن کر جس میں رات کے تخلیہ اور عیش و عشرت کی صحبت کی طرف ایک اجمالی اشارہ ہوتا تھا۔ اس مصرع کی تضمین میں ایسے واقعات بیان کر دیئے ہیں کہ خلیفہ متعجب ہو کر بیساختہ یہ کہہ اٹھتا تھا قاتلک اللہ کانک کنت ثالثنا شکسپیر جس کے ہمراہی ہرن کا شکار کھیلنے والے اور تماشا کرنے

والے تھے اور جس نے کبھی آنکھ کھول کر عالی خاندان اور شریف و پاکیزہ عورتوں کی سوسائٹی نہ دیکھی تھی۔ اُس نے لیڈی میکبت۔ جولیٹ۔ کیتھراین۔ ڈزڈیمونا اور بعض اور لیڈیوں کے ایسے اصلی کیرکٹر دکھلائے ہیں۔ جن کا اس سوسائٹی پر جس میں اس کی عمر گذری تھی۔ کبھی پرچھاواں تک نہ پڑا تھا۔ ایران میں فردوسی اور ہندوستان میں انیس رزم کے بیان میں صدہا باتیں ایسی ٹھکانے کی لکھ جاتے ہیں۔ جن سے معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ یہ واقعات گویا خود ان پر گذرے تھے۔

اِس عذر سے اگرچہ کسی قدر شاعر کی برأت ہو سکتی ہے۔ مگر پھر بھی اُس کو واعظ و ناصح کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ ناصح کی غرض براہ راست ارشاد و ہدایت ہوتی ہے بخلاف شاعر کے کہ اُس کا اصلی مقصود فطرت انسانی کی کریدنا۔ اور واقعات دیکھنے سے متاثر ہو کر دل کی بھڑاس نکالنی ہے اور بس۔ وہ کسی کے سمجھانے کے لئے نہیں چلاتا۔ بلکہ خود کچھ سمجھ کر چیخ اُٹھتا ہے ؎

ناصح مشفق ہیں یا ہیں کے نہ مصلح اور مشیر — درد مند اُن کے نہ اُنکے درد کے درماں ہیں ہم

پھوٹ پڑتے ہیں تماشا اس چمن کا دیکھ کر — نالۂ بے اختیارِ بلبلِ نالاں ہیں ہم

پس اگر شاعر کا کوئی قول اُس کے فعل کے برخلاف پایا جائے تو اُس کو واعظ یا ناصح قرار دیکر یہ الزام دینا نہیں چاہئے کہ اَتَامُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ بلکہ اُس کی طرف سے یہ عذر کرنا چاہیئے کہ اِنَّھُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ ؕ

انسان کے کلام میں کہیں کہیں اختلاف یا تناقض پایا جانا ایک ضروری بات ہے

بلکہ اُس کے کلام کی پہچان ہی یہ بتائی گئی ہے کما قال اللہ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ
اللہ لَوَجَدُوا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا مگر جس طرح ایک فلسفی یا موسرخ کی تصنیف میں
اختلاف پا جانا اُس تصنیف کو عیب لگاتا ہے۔ اس طرح شاعر کے کلام کو عیب نہیں
لگاتا بلکہ اُس کا بیساختہ پن ظاہر کرتا ہے جس کو شاعری کا زیور سمجھنا چاہیئے فلسفی
یا موسرخ ہر ایک چیز پر اُس کے تمام پہلو دیکھ کر ایک مستقل رائے قائم کرتا ہے اور
اس لئے ضرور ہے کہ اُس کا بیان جامع و مانع ہو۔ لیکن شاعر کا یہ کام نہیں ہے
بلکہ اُسکا کام یہ ہے کہ ہر ایک شے کا جو پہلو اُسکے سامنے آئے اور اُس سے کوئی خاص کیفیت پیدا
ہو کر اُس کے دل کو بے چین کر دے اُسکو اسی طرح بیان کرے۔ پھر جب دوسرا پہلو دیکھ کر دوسری
کیفیت پیدا ہو جو پہلی کیفیت کے خلاف ہو اُس کو اُس دوسری کیفیت کے موافق
بیان کرے۔ وہ کوئی فلسفہ یا تاریخ کی کتاب نہیں لکھتا تاکہ اُس کو حقائق و واقعات کے
ہر ایک پہلو پر نظر رکھنی پڑے بلکہ جس طرح ایک فوٹو گرافر ایک ہی عمارت کی کبھی
رو کار کا۔ کبھی پچھیت کا کبھی اس ضلع کا اور کبھی اُس ضلع کا جُدا جُدا نقشہ اُتارتا
ہے اسی طرح شاعر حقائق و واقعات کے ہر ایک پہلو کو جُدا جُدا رنگ میں بیان کرتا
ہے پس ممکن ہے کہ شاعر ایک ہی چیز کی کبھی تعریف کرے اور کبھی مذمت اور ممکن ہے
کہ وہ ایک اچھی چیز کی مذمت کرے اور بری چیز کی تعریف۔ کیونکہ خیر محض کے
سوا ہر خیر میں شر کا پہلو۔ اور شر محض کے سوا ہر شر میں خیر کا پہلو موجود ہے عقل علم۔ زہد۔
دولت عزت اور آبرو عموماً ممدوح و مقبول سمجھی جاتی ہیں مگر شعرا نے اُن کی جا بجا مذمت کی

ہے۔ اسی طرح دیوانگی۔ نادانی۔ رندی۔ فقر۔ ذلت اور رسوائی عموماً مذموم و مردود گنی جاتی ہیں۔ لیکن شعراء اکثر اُن کے مداح ہوئے ہیں ۔

شاعر ایک ہی چیز کی کبھی ایک حیثیت سے ترغیب دیتا ہے اور کبھی دوسری حیثیت سے اُس سے نفرت دلاتا ہے۔ وہ کبھی قدما کے مقابلہ میں اس لئے کہ وہ اُستاد اور موجد فن تھے اپنے تئیں ناچیز و بے حقیقت بتاتا ہے۔ اور کبھی اس لئے کہ اُنہوں نے اُن کی دولت میں کسی قدر اپنی کمائی بھی شامل کی ہے۔ جو اُن کے پاس نہ تھی۔ اپنے تئیں اُن پر ترجیح دیتا ہے۔ وہ کبھی دُنیا کی اس لئے تحقیر کرتا ہے کہ وہ دار الغرور و دار المحن ہے۔ اور کبھی اس کی بڑائی و عظمت اس لئے بیان کرتا ہے کہ وہ مزرعۂ آخرت ہے وہ کبھی ایک ہی گورنمنٹ کی خوبیوں کے سبب ستائش کرتا ہے۔ اور کبھی اس کی ناگوار کارروائیوں کے سبب شکایت۔ مگر وہ کبھی ان حیثیتوں کی تصریح نہیں کرتا جن پر اُس کے مختلف بیانات مبنی ہوتے ہیں۔ جب ایک پہلو کو بیان کرتا ہے تو گویا دوسرے پہلو کو بالکل بھول جاتا ہے وہ ایک نادان بچہ کی طرح کبھی بے اختیار رو پڑتا ہے اور کبھی ہنسنے لگتا ہے۔ مگر نہ اُس کے رونے کا منشا معلوم ہوتا ہے نہ ہنسنے کا پس ممکن ہے کہ شاعر کے کلام میں ایسی بے جوڑ باتیں دیکھ کر لوگ متعجب ہوں۔ مگر جب تک شاعر کا سا دل اُن کے پہلو میں اور ویسا ہی سودا اُن کے دماغ میں نہ ہو اُن کا تعجب رفع ہونا مشکل ہے ؎

به زیر شاخِ گل افعی گزیده بلبل را   نوا گران نخورده گزند را چه خبر

یہ چند اصول جو اوپر بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ نکتہ چینوں کی زبان بند کرنی مقصود ہے کیونکہ جس طرح فوارہ روکنے سے زیادہ زور کے ساتھ اُچھلتا ہے اسی طرح نکتہ چینوں کی زبان بند کرنے سے اور زیادہ کھلتی ہے دوسرے نکتہ چینوں سے کان اس قدر مانوس ہو گئے ہیں۔ کہ جس طرح توپ خانہ کا گھوڑا توپ کی آواز سے کبھی کان نہیں ہلاتا۔ اسی طرح مصنف نکتہ چینوں کے شور و غل کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ پس اُنکی زبان بند کرنے کی طاقت ہے۔ نہ ضرورت۔ البتہ ضرورت وقت اس امر کی مقتضی تھی۔ کہ دیباچہ میں یہ چند باتیں جتا دی جائیں۔ ظاہر ہے کہ سویلیزیشن جس کو شعر و شاعری کا قاتل کہا جاتا ہے۔ اس کا پرچھاواں اس ملک پر بھی پڑنے لگا ہے۔ شعر جس کو مدرسہ[ل] میں لیجانے کی اجازت نہ تھی۔ اُس کو روز بروز زیادہ تر مدرسہ ہی کے ساتھ پالا پڑتا جاتا ہے۔ تعلیم ایسے عقل و دانش کے پتلے جوق جوق اور فوج فوج پیدا کر رہی ہے جو شعر کے نزدیک ذوق معنی سے ایسے ہی بے بہرہ ہیں۔ جیسے شعرا اُن کے نزدیک عقل و دانائی سے اُن پر شعر اتنا بھی اثر نہیں کرتا جتنا کہ عرب کے اونٹ پر حُدی خوان کی آواز اثر کرتی ہے غرضیکہ شاعرانہ مذاق یوماً فیوماً ملک سے مفقود ہوتا جاتا ہے اور ایسی علامتیں موجود ہیں۔ جن سے پایا جاتا ہے کہ ہماری شاعری کا چراغ بہت جلد ہمیشہ کے لئے گُل ہونیوالا ہے نہ پرانی شاعری باقی رہتی نظر آتی ہے اور نہ نئی شاعری آگے چلتی معلوم ہوتی ہے

ل یہ اشارہ ہے اُس مشہور مقولہ کی طرف کہ "شعر را بہ مدرسہ کہ بُرد" ؟

ایسی حالت میں دیوان شایع کرنا اور شاعری کے متعلق کچھ اصول بیان نہ کرنے ایسی بات تھی جیسے چین میں عبرانی بائبل شایع کرنی اسی لئے مقدمہ[1] میں مطلق شاعری پر کسی قدر تفصیلی بحث پہلے ہو چکی ہے اور چند باتیں جو خاص اس مجموعہ سے علاقہ رکھتی تھیں وہ اب دیباچہ میں بیان کی گئیں۔ لیکن اگر غور کیجئے تو ان میں سے کوئی چیز بھی ضروری نہ تھی۔ مقدمہ اور دیباچہ لکھنا تو درکنار۔ سرے سے شعر کہنے ہی کی کچھ ضرورت معلوم نہیں ہوتی ؎

"آنچہ ما در کار داریم اکثرے درکار نیست"

مگر مدبر السموات والارض نے اس خرابہ آباد دنیا کی رونق اور بہار ہماری اسی غفلت و نادانی پر موقوف رکھی ہے کہ دن رات یا اس کے گورکھ دھندوں میں الجھے رہیں دھوکے کو حقیقت اور خواب کو بیداری سمجھیں۔ اور جس کوشش و جانفشانی کے ساتھ کہ مکڑی عمر بھر اپنے بودے اور کمزور جالے کے پورنے میں سرگرم رہتی ہے اسی کوشش و جانفشانی کے ساتھ ہم بھی اپنی بے بنیاد اور پا در ہوا عمارتیں چنتے رہیں یہانتک کہ فنا ہو جائیں ؎

ویں کارخانہ کہ بنایش بہ غفلت است   ہشیار زیستن نہ ز قانون حکمت است

تروح ونغدو لحاجاتنا   وَحاجةُ مَن عاشَ لا تنقضي

وَيَسلبه الموت اثوابه   وَيمنعهُ الموت مَا يشتهي

تموت مَعَ المرءِ حاجاته   وَتبقىٰ لهٗ حاجَة مَا بقي

---

[1] یہ کتاب ہمارے ہاں بقیمت عہ ملتی ہے۔ (شیخ مبارک علی)

قطعات

چھوٹوں کا بڑا بن جانا

چند خطوط اِک دانا نے ... کھینچ کے یاروں سے یہ کہا
دیکھ لو اِن میں جتنے ہیں خط ... کوئی ہے چھوٹا کوئی بڑا
ہے کوئی؟ جو بے ہاتھ لگائے ... دے یونہیں چھوٹے خط کو بڑھا
آپ نے ۔ جتنے خط تھے بڑے ... اُٹھ کے دیا ایک اِک کو مٹا
جب نہ رہا وہاں پیشِ نظر ... خط کوئی چھوٹے خط کے سوا
دیکھا اُٹھا کر آنکھ جدھر ... تھا وہی چھوٹا وہ ہی بڑا
کل کی ہے یارو بات کہ تھی ... قوم میں باقی آن بان ذرا
قوم میں جیسا حال ہے اب ... آدمیوں کا کال نہ تھا
تھے موجود ادیبوں میں ... اخطل و اعشیٰ کے ہمتا
منشیوں میں ایسے تھے بہت ... جن پہ نازاں تھی اِنشا
شعر میں تھے اُستاد اکثر ... سحر بیان اور نکتہ سرا
لے گئی اُن کو آخر کار ... بحرِ فنا کی موج بہا
اہلِ ہنر کا نام و نشاں ... قوم میں جب باقی نہ رہا

حالی و زید و عمر بنے	صاحب دیوان نام خدا
اَب چاہو۔ اُستاد گنو	یا ہمیں سمجھو تم یکتا
ہم ہیں۔ وہی ناچیز مگر	کَبُرَنَا مَوْتُ اَلکبَرا

شعر کی طرف خطاب

اے شعر دلفریب نہ ہو تو تو غم نہیں
پر تجھ پہ حیف ہے۔ جو نہ ہو دل گداز تو

صنعت پہ ہو فریفتہ عالم اگر تمام
ہاں سادگی سے آئیو اپنی نہ باز تو

جوہر ہے راستی کا اگر تیری ذات میں
تحسین روزگار سے ہے بے نیاز تو

حُسن اپنا گر دکھا نہیں سکتا جہان کو
آپ کو دیکھ اور کر اپنے پہ ناز تو

تو نے کیا ہے بحرِ حقیقت کو موج خیز
دھوکے کا غرق کر کے رہے گا جہاز تو

وہ دن گئے کہ جھوٹ تھا ایمان شاعری
قبلہ ہو اب ادھر تو نہ کیجو نماز تو

اہلِ نظر کی آنکھ میں رہنا ہے گر عزیز
جو بے بصر ہیں اُن سے نہ رکھ ساز باز تو

ناک اوپری دوا سے تری گر چڑھائیں لوگ
معذور جان اُن کو جو ہے چارہ ساز تو

چپ چاپ اپنی پیچ پہ کئے جا دلوں میں گھر
اونچا ابھی نہ کر علم امتیاز تو

جو نابلد ہیں اُن کو بتا چھ بن کے راہ
بلد = واقف ۱۵۱ اور نابلد = ناواقف ۱۲۵۱
گر چاہتا ہے خضر کی عمر دراز تو

عزت کا بھید۔ خلق کی خدمت میں ہی چھپا
محمود جان آپ کو گر ہے ایاز تو

اے شعر راہ راست پہ تو جبکہ پڑ لیا
اب رہ کے نہ دیکھ نشیب و فراز تو

کرنی ہے فتح گر نئی دُنیا تو لے نکل
بیروں کا ساتھ چھوڑ کے اپنا جہاز تو

ہوتی ہے سچ کی قدر۔ پہ بیقدریوں کے بعد
اس کے خلاف ہو تو سمجھ اس کو شاذ تو

جو قدرداں ہو اپنا اسے مغتنم سمجھ
حالی کو تجھ پہ ناز ہے کر اس پہ ناز تو

مشاعرہ کی طرح پر غزل نہ لکھنے کا عذر

ہوئی ریعان جوانی کی بہار آخر حیف
طبع رنگین تھی مے عشق کی جب متوالی

اپنی روداد تھی جو عشق کا کرتے تھے بیان
جو غزل لکھتے تھے۔ ہوتی تھی سراسر حالی

اب کہ الفت ہے نہ چاہت نہ جوانی نہ امنگ
سر ہے سودا سے تہی عشق سے دل ہے خالی

گر غزل لکھیے تو کیا لکھیے غزل میں آخر
نہ رہی چیز وہ مضمون سجھانے والی

آپ بیتی نہ ہو جو ہے وہ کہانی بے لطف
گرچہ ہوں لفظ فصیح اور زبان ٹکسالی

ہاں مگر کیجیے کچھ عشق کا غیروں کے بیان
لائیے باغ سے اوروں کے لگا کر ڈالی

کھینچیے وصل صنم کی کبھی فرضی تصویر
کیجیے درد جدائی کی کبھی نقالی

تاکہ بھڑکائے جوانوں کے دل آتش کی طرح
وہ ہوا جس سے دماغ اپنا ہوا ہے خالی

پر یہ ڈر ہے کہیں اپنی بھی وہی ہو نہ مثل
قحبہ چوں پیر شود پیشہ کند دلالی

نکتہ چینی

باپ نے بیٹے کو سمجھایا کہ علم و فضل میں
جس طرح بن آئے بیٹا نام پیدا کیجیے

کیجیے تصنیف اور تالیف میں سعی بلیغ
اس میں اک اپنا پسینا اور لہو کر دیجیے

دیجیے معنی کے نظم و نثر میں دریا بہا
اور سخن کی داد ہر پیر و جواں سے لیجیے

اور نہ ہو گر شعر و انشا کی لیاقت آپ میں
شاعروں اور منشیوں پر نکتہ چینی کیجیے

بے تمیزی ابنائے زمان

از رہِ فخر آبگینہ سے یہ ہیرے نے کہا
ہے وجودِ بے مبتذل تیرا برابر اور عدم

جنس تیری کس میں ہے، قدر و قیمت تیری ہیچ
تیرے پانے کی خوشی کچھ اور نہ گم ہونے کا غم

دیکھے دھوکا تو اگر الماس بن جائے تو کیا
امتحان کے وقت کھلتا ہے سب تیرا بھرم

مسکرا کر آبگینہ نے یہ ہیرے سے کہا
گو کہ ہے رتبہ ترا مجھ سے بڑا اے محترم

مجھ میں اور تجھ میں مگر کر سکتے ہیں جو امتیاز
ہیں بصر ایسے اس بازار ناپرساں میں کم

تیرے جوہر گو نہیں موجود اپنی ذات میں
تجھ سے اے الماس لیکن اچھے پڑ رہتے ہیں ہم

ایک خود پسند امیرزادہ کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیرزادہ کو
تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں

خصلتیں جو امیرزادوں میں
لازمی ہیں۔ وہ اس میں بھی سب تھیں

گو کہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی
اس پہ تھا خود پسند اور خود بیں

کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ
علم تیر و کمان میں اپنے تئیں

واہ وا سنتے سنتے یاروں کی
ہو گیا تھا ہنر کا اپنے یقیں

الغرض ایک روز صحرا میں
جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں

مشق تیر افگنی میں تھا مصروف
کر رہے تھے خوشامدی تحسیں

آ کے دیکھا جو اک ظریف نے حال
وجہ تحسین ہوئی نہ ذہن نشیں

تیر جتنے کمان سے چھوٹے
پڑ گئے سب پے اُول و بے آئیں

جلکے بھوبلے سے بھی نہ پڑتا تھا	تیر آتا جگر کے کوئی قریں
ایک جاتا تھا چھوٹ کے سوئے شمال	ایک جاتا تھا پھٹ کے سوئے یمیں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی	رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودے پہ جا کے ہو بیٹھا	لوگ کرتے ہے چناں وچنیں
ناوک انداز بولا چلا کر	کوئی تجھ کو جنون ہے اے مسکیں
یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے	یا کہ دو بھر ہے تجھکو جانِ حزیں
عرض کی، چارہ کیا ہے اِس کے سوا	جبکہ جائے گریز ہو نہ کہیں
زد سے اِن بے پناہ تیروں کی	کہیں جان دار کو امان نہیں
مجھکو ہر پھر کے شش جہت میں حضور	امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

پولیٹکل اسپیچیں

اے بزم سفیرانِ دول کے سخن آرا	ہر خورد و کلاں تیری فصاحت پہ فدا ہے
یہ سچ ہے کہ جادو ہے بیاں میں ترے لیکن	کچھ سحر بیانی کا تری ڈھنگ نیا ہے
ظاہر ہے نہ غصہ میں بیاں سے تیری تجمل	نے لطف میں کچھ طرز بیاں اِس سے جدا ہے
ہے دل میں نہاں ایک شکایات کا طومار	اور لب پہ جو دیکھو تو نہ شکوہ نہ گلا ہے
جس صلح کی باتیں ہیں وہ ہیں شہد سے شیریں	اور جنگ میں کچھ لطف سخن اس سے سوا ہے
گر سوچیئے تو سیکڑوں پہلو ہیں مفر کے	اور سنیئے تو زنجیروں سے ہر قول بندھا ہے
دل کی تہ سے ہوتی نہیں معلوم کوئی بات	گونگا نہیں گویا نہیں کیا جانیئے کیا ہے

کھلتا نہیں کچھ اس کے سوا تیرے بیاں سے ۔۔۔ اک مرغ ہے خوش لہجہ کہ کچھ بول رہا ہے
تجھے لب پئے اظہار پہ اب آ کے کھلا یہ ۔۔۔ انسان کو اخفا کے لئے نطق ملا ہے

بدی کرکے نیک نامی کی توقع رکھنی

نا منصف و بے رحم تھا اک ضلع کا حاکم ۔۔۔ برتاؤ سے نالاں تھی بہت جس کے رعیت
جب دورہ کو اُٹھتا تھا تو دیہات میں جا کر ۔۔۔ تھا پوچھتا ہر ایک سے ازراہ شرارت
ہیں پرگنہ کے لوگ سمجھتے ہمیں کیسا ۔۔۔ کرتے ہیں ہماری وہ ستائش کہ مذمت
تھی اس کی مثال ایسی کہ اک شخص بدآواز ۔۔۔ جس کو خود آواز سے تھی اپنی کراہت
گاتا تھا کھڑا ہو کے اور آواز کے پیچھے ۔۔۔ ہر بار لپکتا تھا بصد تیزی و سرعت
تا کہ یہ معلوم کرے ہے دور سے میری ۔۔۔ آواز خوش آیند و یا قابل نفرت

تفاخر سے نفرت کرنے پر تفاخر

زاہد نے کہا زینت و اسباب پہ جو لوگ ۔۔۔ اتراتے ہیں اک آنکھ مجھے وہ نہیں بھاتے
حالی نے کہا جن کو ہے اترانے سے نفرت ۔۔۔ اترا کے وہ اس طرح نہیں ناک چڑھاتے

سید احمد خان کی تکفیر

مختلف اقوال ہیں اسلام کی تعریف میں ۔۔۔ بعض کے نزدیک توحید اسکی حد تام ہے
ہے مگر جمہور کے نزدیک یہ مردود قول ۔۔۔ جو ہیں قائل اسکے اُن پر کفر کا الزام ہے
کیونکہ اس سے ماننا پڑتا ہی اُس امت کو عام ۔۔۔ جس سے غیر از اہل قبلہ جو ہے وہ ناکام ہے
بعض کہتے ہیں کہ شر سے تیرے سب ایمن رہیں ۔۔۔ پس مسلمانی و دینداری اسی کا نام ہے

پر یہ حد بھی جامع و مانع نہیں عند الفحول / کہتے ہیں اسلام جو سمجھے اسے وہ خام ہے
یعنی کا مستحق ہے خاص کر اپنا گروہ / اور رب کا لفظ یار و اغیار سب کو عام ہے
بعض کہتے ہیں شعار اسلامیوں کا ہی لباس / جو لباس غیر پہنے خارج از اسلام ہے
بعض بتلاتے ہیں کچھ اور بعض فرماتے ہیں کچھ / حصر کرنا ان تمام آرا کو مشکل کام ہے
مذہب منصور ہے لیکن بیان کرنا ضرور / جو مسلّم آج کل نزدیک خاص و عام ہے
اہل حل و عقد ہیں اب متفق اس رائے پر / سید احمد خاں کو کافر جاننا اسلام ہے

قرض لیکر حج کو جانے کی ضرورت

قریب موسم حج۔ قرض لیکے اک دیندار / چلا بہ نیت حج۔ گھر سے سوئے بیت اللہ
کہا یہ اُس سے اِک آزاد نے کہ اے حضرت / کیا ہے آپ پہ شارع نے جبر یا اکراہ
کہ قرض لیکے چلے ہیں حضور سوے حجاز / وطن میں چھوڑ کے اطفال کو بحال تباہ
نہ نان و نفقۂ فرزند و زن سے خاطر جمع / نہ زاد و راحلہ کا ساز و برگ خاطر خواہ
سُنا یہ۔ اور بہت ترش ہو کے فرمایا / کہ روکتا ہے مُسلمان کو حج سے اے گمراہ
وہ بادشاہ کہ جو دشمنوں کو دیتا ہے / نگین و خاتم و طبل و نشان و تخت و کلاہ
خبر نہ لے گا وہ کیا اپنے مہمانوں کی / پُہنچتے جو کہ ہیں طے کرکے بر و بحر کی راہ
جنہیں فراغت و تنگی میں ہے اُسی سے اُمید / جنہیں سلامت و آفت میں ہے اُسی کی پناہ
وہ سُن کے بولا کہ ناخواندہ مہمانوں کو / اُمید لطف کی رکھنی ہے میزبان سے گناہ

---

[1] اقوال مختلفہ میں سے جو قول راجح ہو اس کو مذہب منصور کہتے ہیں ۱۲

ذلیل ہوتے ہیں جو بن بلائے جاتے ہیں — طفیلیوں کی نہیں دعوتوں میں عزت و جاہ
یہ سن کے شیخ نے دیکھا ادھر ادھر کہیں — ہو مدعی نہ تجسس میں یاں کوئی ہمراہ
بلا کے پاس پھر آہستہ اس سے فرمایا — ابھی زمانہ کی چالوں سے تو نہیں آگاہ
قدم پہنچتے جہاں تک ہیں پختہ کاروں کے — جوانِ خام کی واں تک نہیں پہنچتی نگاہ
خدا کے حکم ہیں مبنی تمام حکمت پر — فتوح جن میں ہے دنیا و دین کی خاطر خواہ
نماز و روزہ ہو یا ہو طواف و عمرہ و حج — حصول جیسے کہ ہوتا ہے ان سے قرب الٰہ
اسی طرح یہ وسیلے معاش کے ہیں تمام — نہ جن میں چاہیے محنت نہ کوشش ہمہ گاہ
مگر سلیقہ و تدبیر شرط ہے ورنہ — ہزاروں پھرتے ہیں محتاج سادہ لوح تباہ
یہ کہنے سننے کی باتیں نہیں ہیں برخوردار — وگرنہ علم معیشت وسیع ہے واللہ

آزادی کی قدر

ایک ہندی نے کہا حاصل ہے آزادی جنہیں — قدرداں ان سے بہت بڑھ کر ہیں آزادی کے ہم
ہم کہ غیروں کے سدا محکوم رہتے آئے ہیں — قدر آزادی کی جتنی ہم کو ہو اتنی ہے کم
عافیت کی قدر ہوتی ہے مصیبت میں سوا — بینوا کو ہے زیادہ قدر دینار و درم
تعرف الاشیاء بالاضداد ہے قول حکیم — دیگا قیدی سے زیادہ کون آزادی پہ دم
سن کے اک آزاد نے یہ لاف چپکے سے کہا — ہے[1] تنفر موری کے کیڑے کیلئے باغِ ارم

---

[1] یعنی جس طرح موری کے کیڑے کو موری میں آرام ملتا ہے اور وہاں سے کہیں جانا نہیں چاہتا۔ اسی طرح جو قومیں ہمیشہ محکوم رہتی چلی آئی ہیں وہ غلامی ہی میں خوش رہتی ہیں ۱۲

انگلستان کی آزادی اور ہندوستان کی غلامی

کہتے ہیں آزاد ہو جاتا ہے جب لیتا ہے سانس یاں غلام آکر کرامت ہے یہ انگلستان کی
اُسکی سرحد میں غلاموں نے جو ہیں رکھا قدم اور کٹ کر پاؤں سے اک ایک بیڑی گر پڑی
قلب ماہیت میں انگلستان ہے گر کیمیا کم نہیں کچھ قلب ماہیت میں ہندوستان بھی
آن کر آزادیاں آزاد رہ سکتا نہیں وہ رہے ہو کر غلام اِس کی ہوا جنکو لگی

سیّد احمد خان کی مخالفت کی وجہ

سیّد احمد خان سے اک منکر نے یہ پوچھا کہ آپ کس لیے سیّد سے صاف اے حضرت قبلہ نہیں
کافر و ملحد ہمیشہ اس کو ٹھیراتے ہیں آپ ثابت اسلام اُسکا نزدیک آپ کے گویا نہیں
آپ بھی (بنام خدا) ہیں تارکِ صوم و صلوٰۃ اور سلوک اسلام سے خود آپ کا اچھا نہیں
خود نبوت پر سُنے ہیں ہم نے ایراد آپ کے اور الوہیت سے بھی دل جمع حضرت کا نہیں
چشم بد دُور آپ کا بھی جبکہ ہے مشرب وسیع پھر یہ سیّد پر تبرا آپ کو زیبا نہیں
سُن کے فرمایا اگر ہم پوچھتے انصاف سے بات یہ ہے سُن لو صاحب تم سے کچھ پردہ نہیں
رنج کچھ اِس کا نہیں مجھکو کہ وہ ایسا ہے کیوں بلکہ ساری کوفت ہے اِسکی کہ میں ویسا نہیں

قحط اہل اللہ

کل خانقاہ میں تھی حالت عجب طاری جو تھا سو چشم پُرنم۔ اپنا تھا یا پرایا
"دُنیا سے اُٹھ گئے سب جو تھے مرید صادق" یہ کہہ کے شیخ کا دل بے ساختہ بھر آیا
ہم نے کہا مریدی باقی رہی نہ پیری یہ کہہ کے ہم بھی روئے اور اُس کو بھی رُلایا

نوکروں پر سخت گیری کرنیکا انجام

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر — دلگند تھی اور نہ ساتھ اُنکے رعایت تھی کہیں
بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی اُن کی معاف — کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی اُن کے تئیں
حسن خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار — ذکر کیا نکلے جو پھوٹے مُنہ سے اُسکے آفریں
پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اُس سے دوچار — نتھنے پھُولے مُنہ چڑھا، ماتھے پہ بل ابرو پہ چیں
تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لئے کوئی فتوح — آکے ہوجاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امیں
رہتا تھا اِک اِک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس — فرض جس میں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعیں
گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار — زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبیں
حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں — تاکہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں
واں سوا تنخواہ کے تھا جس کا آقا ذمہ دار — تھیں کریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں
دیکھ کر کاغذ کو جلتے تھے نوکر لاجواب — تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے مارِ آستیں
ایک دن آقا تھا اِک مُنہ زور گھوڑے پر سوار — تھک گئے جب زور کرتے کرتے دستِ نازنیں
دفعتہً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار — اور گرا سوار صدرِ زین سے بالائے زمیں
کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن رکاب — کی نظر سائیس کی جانب کہ ہو آکر معیں
تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بے وفا — دیکھتا تھا اور دُور سے مس نہ ہوتا تھا لعیں
دُور ہی سے تھا اُسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا — دیکھ لو سرکار اِس میں شرط یہ لکھی نہیں

نیشن کی تعریف

یہ ہے مانی ہوئی جمہور کی رائے
اسی پر ہے جہان کا اتفاق اب

کہ نیشن وہ جماعت ہے کم از کم
زبان جس کی ہو ایک اور نسل و مذہب

مگر وسعت اسے بعضوں نے دی ہے
نہیں جو رائے میں اپنی مذبذب

وہ نیشن کہتے ہیں اس بھیڑ کو بھی
کہ جس میں وحدتیں مقصود ہوں سب

زبان آپس کی نہ ہو مفہوم اس کو
ہوں آدم تک جدا سب کے جد و اب

جو واحد لاشریک اس کا خدا ہو
تو لاکھوں اس کے ہوں معبود اور رب

صفائی نہ رکھنے کا عذر

راہ سے گذرا کہیں میلا کچیلا اک غلام
اس کے میلے پن پہ لوگوں نے ملامت اسکو کی

عرض کی "ایک اک غلاں ہو جس بدن کا ملک غیر
اختیار اس کی صفائی کا نہیں رکھتے رہی"

جو ہیں آزاد اور صفائی کا نہیں رکھتے خیال
عذر میلے پن کا شاید وہ بھی رکھتے ہوں یہی غلام

کیونکہ جسم آدمی میں پیش اہل معرفت
کوئی چیز اس کی نہیں سب ہے امانت گور کی

دلی کی شاعری کا تنزل

اک دوست نے حالی کے کہا از رہ انصاف
"کرتے ہیں پسند اہل زبان اس کے سخن کو"

چند اہل زبان جن کو کہ دعویٰ تھا سخن کا
بولے کہ نہیں جانتے تم شعر کے فن کو

شاعر کو یہ لازم ہے کہ ہو اہل زبان سے
ہو چھو نہ گئی غیر زبان اس کے دہن کو

معلوم ہے۔ حالی کا جو ہے مولد و منشا
اردو سے بھلا واسطہ ہے حضرت کے وطن کو

اُردو کے دھنی وہ ہیں جو دِلّی میں روڑے — پنجاب کو مَس اِس سے نہ پورب نہ دکن کو
بلبل ہی کو معلوم ہیں اندازِ چمن کے — کیا عالمِ گلشن کی خبر زاغ و زغن کو
حالی کی زباں گر بمثلِ نہرِ لبن ہو — خالص نہ ہو تو کیجیے کیا لے کے لبن کو
ہرچند کہ صنعت سے بنائے کوئی نافہ — پہنچے گا نہ وہ نافۂ آہوئے ختن کو
مانا کہ ہے بیساختہ پن اُس کے بیاں میں — کیا پھونکیئے اِس ساختہ بیساختہ پن کو
یہ دوست نے حالی کے سُنی جبکہ تعلّی — حق کہنے سے وہ رکھ نہ سکا باز دہن کو
کچھ شعر تھے یاد اُن کے پڑھے اور یہ پوچھا — کیوں صاحبو عزت اسی اُردو سے ہے فن کو
سچ یہ ہے کہ جب شعر ہوں سرکار کے ایسے — کیوں آپ لگے ماننے حالی کے سخن کو
حالی کو تو بدنام کیا اُس کے وطن نے — پر آپ نے بدنام کیا اپنے وطن کو

بیٹیوں کی نسبت

جاہلیت کے زمانہ میں یہ تھی رسمِ عرب — کہ کسی گھر میں اگر ہوتی تھی پیدا دختر
سنگدل باپ اُسے گود سے لیکر ماں کی — گاڑ دیتا تھا زمیں میں کہیں زندہ جاکر
رسم اب بھی یہی دُنیا میں ہے جاری لیکن — جو کہ اندھے ہیں ہیئے کے نہیں کچھ اُن کو خبر
لوگ بیٹی کے لئے ڈھونڈھتے ہیں جب پیوند — سب سے اوّل اُنہیں ہوتا ہے یہ منظورِ نظر
ایسے گھر بیاہیئے بیٹی کو جو ہو آسودہ — اور مہ و مہر سے جو ذات میں ہو افضل تر
جانے پہچانے ہوں ہمدھیانے کے سارے زن و مرد — اُن کے معلوم ہوں عادات و خصائل یکسر
ایک ہی شہر میں ہوں دونو گھرانے آباد — دونوں نزدیک قرابت میں ہوں باہمدگر

جیتے جی مر گئی بس اُن کی طرف سے گویا　　جا کے پردیس میں بیٹی کو دیا بیاہ اگر
چھان بیں اس کی تو کرتے ہیں کہ گھر کیسا ہے　　پر نہیں دیکھتا یہ کوئی کہ کیسا ہو بر
بد مزاجی ہو۔ جہالت ہو کہ ہو بد چلنی　　کچھ بُرائی نہیں۔ ذی ثروت ہو داماد اگر
یہی ناشدنی ریت ہے جس کے کارن　　بکریاں بھیڑیوں سے پاتی ہیں پیوند اکثر
جاہلیت میں تو تھی اک یہی آفت کہ وہاں　　گاڑ دی جاتی تھی بس خاک میں تنہا دختر
ساتھ بیٹی کے مگر اب پدر و مادر بھی　　زندہ در گور سدا رہتے ہیں اور خستہ جگر
اپنا اور بیٹیوں کا جبکہ نہ سوچیں انجام　　جاہلیت سے کہیں ہے وہ زمانہ بدتر

سیّد احمد خاں کی تصانیف کی تردید

اِک مولوی کہ تنگ بہت تھا معاش سے　　برسوں رہا تلاش میں وجہ معاش کی
وہ شہر شہر نوکری کی ٹوہ میں پھرا　　لیکن نہ اُس کے ہاتھ کہیں نوکری لگی
اخبار بھی نکال کے بخت آزمائی کی　　تدبیر یہ بھی اس کی نہ تقدیر سے چلی
روزی کی خاطر اُس نے کئے سیکڑوں جتن　　پر کی نصیب نے نہ کہیں اُس کے یاوری
راہِ طلب میں جب ہوئی سرگشتگی بہت　　اِک خضرِ پے خجستہ نے کی آ کے رہبری
جُھک کر کہا یہ کان میں اُس کے کہ آجکل　　سُنتا ہوں چھپ رہی ہیں تصانیفِ احمدی
جا۔ اَور لفظ کو اُس کے چھیڑ کر　　تردید اُس کی چھاپ دے جو ہو بُری بھلی
پھر دیکھنا کہ راست و چپ و گرد و پیش سے　　لگتی ہے کیسی آ کے زر و سیم کی جھڑی
دنیا طلب کو چاہیئے ابلہ فریب ہو　　دُنیا پہ جب تلک کہ مسلط ہے ابلہی

یقین

آتی نہیں ہے شرم تجھے اے خدا پرست — دل میں کہیں نشاں نہیں تیرے یقین کا
جی میں ترے ہزاروں گذرتے ہیں وسوسے — ہوتی نہیں قبول تیری ایک گر دُعا
تجھ سے ہزار مرتبہ بہتر ہے بُت پرست — جس کا یقین ہے تیرے یقین سے کہیں سوا
وہ مانگتا بُتوں سے مُرادیں ہے عمر بھر — گو حاجت اُسکی اِن سے ہوئی ہی نہ ہو روا
آتا نہیں یقین میں اُس کے کبھی قصور — اُمید اُس کی روز فزوں ہے اور التجا
تو بندۂ غرض ہے۔ وہ راضی رضا پہ ہے — وہ ہے کہ یہ ہے بندگی! اے بندہ خدا

استفادہ

لیجئے بھیک دوڑ کر۔ گر ہے گداگری کا یہ — جس سے ملے جہاں ملے جو ملے اور جب ملے
ہے یہی اصل اکتساب۔ ہوجیئے سب سے مستفید — زک ملے یا سزا ملے۔ درس ملے۔ ادب ملے

لائق آدمی دوست اور دشمن دونوں سے فایدہ اُٹھا سکتے ہیں

قول ایک حکیم کا ہے کہ "گر غور کیجئے — ہے حق میں سب کے دوست سے دشمن مفید تر
اوّل تو سوجھتا ہی نہیں عیب دوست کو — اور سوجھتا ہے تو نہیں لاتا زبان پر
پر ایک بار دشمن اگر دیکھ پائے عیب — سو سو طرح سے وہ اُسے کرتا ہے جلوہ گر
دشمن سے بڑھ کے کوئی نہیں آدمی کا دوست — منظور اپنے حال کی اصلاح ہو اگر
اور دوست سے زیادہ نہیں کوئی بدسگال — رکھتا ہے جو کہ دوست کے عیب اِس سے مستتر"
گو قول ہے متین پہ جو تھی سخن کی تہ — افسوس ہے حکیم کی پہونچی نہ واں نظر

دشمن کے جو کہ طعن سے ہوتے ہیں مستفید — عیب ان کے دوست کیوں نہ بتائینگے بے خطر
اور جو کہ دوست سے نہیں سن سکتے اپنے عیب — وہ دشمنوں کے طعن سے کیا ہونگے بہرہ ور
جن کو خدا نے جوہر قابل دیا ہے یہاں — موقوف عبرت[1] ان کی نہ دشمن پہ نہ دوست پر

سخن سازی

ہے مرد سخن ساز بھی دنیا میں عجب چیز — پاؤ گے کسی فن میں کہیں بند نہ اُس کو
موجود سخن گو ہوں جہاں واں ہیں طبیب آپ — اور جاتے ہیں بن آپ طبیبوں میں سخن گو
دونوں میں سے کوئی نہ ہو تو آپ ہیں سب کچھ — پر ہیچ ہیں جس وقت کہ موجود ہوں دونو

عقل اور نفس کی گفتگو

نفس کو عقل نے چاہا کہ کرے خوار و زبوں — اپنے دعووں پہ بیاں کر کے دلیل و برہاں
کہا اے نفس نہیں تجھ میں مآل اندیشی — درد ہیں تیرے اسی واسطے سب بے درماں
ہے غنیمت تجھے وہ رات کی دم بھر کی خوشی — جس کا آتا ہے نظر پیشتر از صبح زیاں
سود سے کچھ تجھے رغبت نہ زیاں سے پرہیز — تیرے نزدیک ہے درد اور دوا سب یکساں
نہیں غفلت میں تجھے دین نہ دنیا کی خبر — یہ بھی ہے نیند کوئی موت کا ہے جس پہ گماں
نہ جوانی میں تجھے صبر نہ پیری میں شکیب — کبھی ہوتا نہیں کم تیری خودی کا طوفاں
کہیں جائے نہ بھٹک منزل مقصود سے تو — دیکھ جاتا ہے کدھر اور تجھے جانا ہے کہاں
ہاتھ دھو لذت فانی سے نہیں گر منظور — عیش باقی و حیات ابدی سے حرماں

---

[1] عبرت = اعتبار نصیحت حاصل کرنا ۱۲

نفس نے عقل سے کی عرض کہ اے خضرِ طریق — وعظ پر تیرے ہے زیبا کہ فدا کیجئے جاں
پر نہیں حکم ترا کوئی ۔ عمل کے قابل — گو کہ حکمت سے بھرا تیرا سراسر ہے بیاں
نقد کو چھوڑنا اور نسیہ کی رکھنی امید — کون تسلیم کرے گا نہ اُسے جز ناداں
ہے یہ ایک ایک مری لذتِ فانی وہ بلا — سو حیاتیں ابدی تیری ہیں جس پہ قرباں
ایک اب بھوکے سے کہتا ہے کہ لے قابِ طعام — ایک مدعا اُسے کرتا ہے پس از سال رواں
کیونکہ امید پہ اِک مائدۂ نعمت کی — سال بھر صبر کرے گرسنگی میں انساں
عقل نے سن کے کہا خوف ہے تجھ سے اے نفس — خرزہ تیرا تجھے دیکھیے پہنچائے کہاں
حق کے پیرایہ میں ہوتا نہیں باطل سرسبز — کیجئے لاکھ بیاں اُس پہ دلیل و برہاں
جان بلب بھوک سے ہو گرسنہ بالفرض اگر — زہر دانستہ کرے نوش نہیں یہ امکاں
یکمیں بھوک میں کھا بیٹھو یہ لقمۂ نقد — اِس کے کھانے میں نہیں جان کی خیر اے ناداں

عادات کا غلبہ عقل پر

دیکھ عادت کا تسلط میں نے عادت سے کہا — گھیر نہ عقل صواب اندیش کی سب تو نے جائے
ہنس کے عادت نے کہا کیا عقل ہی مجھ سے الگ؟ — میں ہی بن جاتی ہوں ناداں رفتہ رفتہ عقل و رائے

شعرا کو سلطنت میں دخل دینا

سُنتے ہیں یہ اک مُدبر کی ہے رائے — چاہیے گر رونق علم زباں
شاعروں کو سلطنت کا کیجیے رکن — جن پہ اس کی سب رکانیں ہیں عیاں
رائے صائب ہے بظاہر اور متیں — گو کیا اِس کا نہیں کچھ احتمال

شعر و انشا کو تو ہو شاید فروغ　　ہے بہت کم پر خلاف اِس کے گماں
سلطنت کا پر خدا حافظ ہے۔ جب　　شاعروں کے ہاتھ ہو اِس کی عناں
اور جو وہ شاعر ہیں ہندوستان کے　　شعر و انشا کو بھی ہے خوفِ زیاں
ایک پر اُن میں سے چل سکتا نہیں　　دوسرے کا جادوئے حسنِ بیاں
ایک جب چلنے نہ دے گا ایک کی　　پھر ترقی شعر و انشا کی کہاں

لوگ کسی کی خوبیاں سُن کر اتنے خوش نہیں ہوتے جتنے کہ اُس کے عیب سُن کر

اپنے عیبوں کے ہیں ہم جتنے کہ ممنون حالی　　اُس قدر خوبیوں کے اپنی نہیں شکر گزار
لوگ جب عیب ہمارا کوئی سُن پاتے ہیں　　گو کہ کرتے ہیں تاسف کا بظاہر اظہار
پر خوشی کا ہے یہ عالم کہ ہو رنج اُن کی کمال　　گر نصیبوں سے وہ افواہ غلط پائے قرار
اور جو ہو گوش زد اُن کے کوئی خوبی اپنی　　خوش تو پڑتی ہے بنانی انہیں صورت ناچار
دِل میں ہوتا ہے مگر غم کا یہ عالم اُن کے　　کہ ملال اپنا چھپا سکتے نہیں وہ زنہار
بللہ الحمد کہ مخلوق کے خوش کرنے کا　　نفس میں اپنے ہے سامان بہت کچھ تیار

شائستہ لوگوں کا برتاؤ سائل کے ساتھ

عادت تھی اِک فقیر کی کرتا تھا جب سوال　　انگریز کے سوا نہ کسی سے تھا مانگتا
مُدت تک اُس کی جب یہی دیکھی گئی روش　　پوچھا کسی نے اُس سے کہ اُس کا سبب ہے کیا
بولا کہ عادت اِس لئے کی ہے یہ اختیار　　چھُٹ جائے تاکہ مجھ سے یہ لپکا سوال کا

پہلے جو بھاگوانوں سے مِلتی تھی روز بھیک ‏ — ‏ آتا تھا مانگنے میں بہت بھیک کے مزا
پر جب سے ہے سوال کا اِس قوم پر مدار ‏ — ‏ منّت سے عجز سے کبھی ملتا نہیں ٹکا
اُمّید ہے کہ مانگنے کی چھوٹ جائے لت ‏ — ‏ گرچند روز اور رہا اِن سے سابقا
آیا جواب سُن کے یہ اُس کا بہت پسند ‏ — ‏ کی آفریں اور اُس سے مخاطب نے یوں کہا
نیٹو ہیں جو کہ مُلک میں تعلیم یافتہ ‏ — ‏ حق میں ترے مفید ہیں اُن سے بھی سوا
انگریز اگرچہ ہندیوں کے حق میں ہیں بخیل ‏ — ‏ اہلِ وطن پہ اُن کی مگر جان ہے فدا
پر جو کہ دیسیوں میں ہیں تعلیم یافتہ ‏ — ‏ دل بھائیوں پہ بھی نہیں اِن کا پسیجتا
انگریز اتنے اجنبیوں سے نہیں نفور ‏ — ‏ جتنے کہ یہ عزیز عزیزوں سے ہیں خفا
اہلِ غرض پہ کاٹنے کو دوڑتے ہیں یہ ‏ — ‏ شائستگی کا زہر ہے جب سے اُنہیں چڑھا

اسراف

ایک مسرف نے یہ ممسک سے کہا ‏ — ‏ کب تک اے ناداں یہ حُبِّ مال و زر
تو جو یوں رکھتا ہے دولت جوڑ جوڑ ‏ — ‏ ہے سدا دُنیا ہی میں رہنا مگر
ہنس کے ممسک نے کہا اے سادہ لوح ‏ — ‏ زر لُٹانا رائگاں اور اِس قدر؟
آج ہی گویا زنصیب دشمناں ‏ — ‏ آپ کا دُنیا سے ہے عزمِ سفر

پاسِ نیک نامی

اے نیک نام شکر کر اللہ کا ادا ‏ — ‏ جس نے بنایا نیک تجھے کر کے نیک نام
ہوتا اگر نہ پاس تجھے نام نیک کا ‏ — ‏ پھر دیکھتے کہ کرتا ہے تو کیسے نیک کام

حاشا کہ تجھکو خوف خدا کا ہو اِس قدر — جتنا کہ خوف طعنہ و تشنیع خاص و عام

غرورِ نیک نامی

گئی ہے حد سے گذر شیخ کی نِکو نامی — گمان بد کبھی اُس کی طرف نہیں جاتا
جو اُس کے عیب تسمسی بیان کرے کوئی — خود اُس کو عیب کا اپنے یقین نہیں آتا

کالے اور گورے کی صحت کا میڈیکل امتحان

دو ملازم۔ ایک کالا اَور گورا دوسرا — دوسرا پیدل۔ مگر پہلا سوار راہوار
تھے سِول سرجن کی کوٹھی کی طرف دونو رواں — کیونکہ بیماری کی رخصت کے تھے دونو خواستگار
راہ میں دونو کے باہم ہوگئی کچھ ہشت مُشت — کلکدے پر کالے کی اِک مُکّا دیا گورے نے مار
صدمہ پہنچا جس سے تِلّی کو بہت سنگین کی — آ کے گھوڑے سے لیا سائیس نے اُس کو اُتار
ٹھوک کر کالے کو گورے نے تو اپنی راہ لی — چوٹ کے صدمہ سے غش کالے کو آیا چند بار
آخرش کوٹھی پہ پہنچے جا کے دونو پیش دِلپس — ضارب اپنے پاؤں اور مضروب ڈولی میں سوار
ڈاکٹر نے آ کے دونو کی سُنی جب سرگذشت — تہ کو جا پہنچا سخن کی سُن کے قصہ ایک بار
دی سند گورے کو لکھی تھی جس میں تصدیق مرض — اَور یہ لکھا تھا کہ سائل ہے بہت زار و نزار
یعنی اِک کالا نہ جس گورے کے ٹکّے سی مرے — کر نہیں سکتا حکومت ہند پر وہ زینہار
اَور کہا کالے سے تم کو مِل نہیں سکتی سند — کیونکہ تم معلوم ہوتے ہو بظاہر جاندار
ایک کالا پٹ کے جو گورے سے فوراً مر نہ جائے — آئے بابا اُس کی بیماری کا کیونکر اعتبار"

خودستائی

اے دلِ افسردہ کون ہے جو خودستا نہیں — پر۔ خودستائیوں کے ہیں عنواں جُدا جُدا

جو زیورِ خرد سے مُعرّا ہیں سادہ لوح — کرتے ہیں خوبیاں وہ بیاں اپنی برملا

جو ان سے تیز ہوش ہیں سو سو طرح سے وہ — پردوں میں کرتے ہیں اسی مضمون کو ادا

کہتا ہے ایک کیسی حماقت ہوئی ہے آج — کمبل تھا ایک گھر میں سو سائل کو دے دیا

کہتا ہے دوسرا کہ گیا ہو کے منفعل — سائل کی ڈب میں مَیں نے دیا مال جب دکھا

پردہ میں زیرکی کے چھپاتا ہے بخل یہ — اور بَن کے بیوقوف جتاتا ہے وہ سخا

کچھ۔ اس لئے کہ ہم بھی انہیں میں سے ہوں شمار — اہلِ وطن کی اپنے بہت کرتے ہیں ثنا

کچھ۔ اس لئے کہ اپنا ہو انصاف آشکار — کہتے ہیں اپنی قوم کی تنقیص جا بجا

کہتا ہے ایک لاکھ نہ مانے بُرا کوئی — ہے عیب صاف گوئی کا ہم میں بہت بڑا

کہتا ہے ایک گُر ہے خوشامد کا یہی — پر چلتے آدمی کو ہیں کہہ کہہ کے ہم بُرا

دھوکا ہُنر کا دے کے چھپاتا ہے عیب یہ — اور مُنھ سے در دکھ کے دکھاتا ہے وہ صفا

چپ چاپ سُن رہا ہے کوئی اپنی خوبیاں — یعنی کہ یہ بیان ہے سب راست اور بجا

کہتا ہے اِس پہ کوئی کہ سب حسنِ ظن ہے یہ — اِک خاکسار کو جو دیا تم نے یوں بڑھا

قانع ہے وہ اُنہیں پہ ہوئے وصف جو بیاں — اور چاہتا ہے یہ کہ ہو تعریف کچھ سوا

کہتا ہے زید۔ عمرو ہے شدت سے سادہ لوح — گنتا ہے سب کو نیک وہ اچھا ہو یا بُرا

کہتا ہے عمرو زید بھی گنتا ہے عیب ہی — بد ہو کہ نیک۔ اُسکی زباں سے نہیں بچا

یہ اِس کا اور وہ اُس کا بیاں کر کے کوئی عیب ہر اِک ہے اپنی اپنی بڑائی بگھارتا
غیبت ۔ اُمید ہے کہ نہ ہوتی جہاں میں ہوتا اگر یہ خاک کا پتلا نہ خود ستا
حالیؔ جو تیرے سے کھل رہے ہیں جہاں کے شاید کہ اُس سے آپ کا ہوگا یہ مُدعا
یعنی کہ لاکھ پردوں میں کوئی چھپائے عیب اپنی نظر سے رہ نہیں سکتا کبھی چھپا
القصہ جس کو دیکھیے جاہل ہو یا حکیم آزار میں خودی کے ہے بیچارہ مبتلا

حملۂ نفس

ہم سمجھتے تھے کہ نفسِ دوں ہمارے بس میں ہے گر کبھی حملہ پہ اُس کے غالب آجاتے تھے ہم
پر جو دیکھا غور سے وہ بھبکیاں تھیں نفس کی جن کو نادانی سے حملے اُس کے ٹھیراتے تھے ہم
جب کیا حملہ دیئے سب عقل نے ہتھیار ڈال زور بازو پر ہمیشہ جس کے اتراتے تھے ہم

جس قوم میں افلاس ہو اس میں بخل اتنا بدنما نہیں جتنا اسراف

حالی سے کہا ہم نے کہ ہے اِس کا سبب کیا جب کرتے ہو تم کرتے ہو مسرف کی مذمت
لیکن بخلاف آپ کے سب اگلے سخنور جب کرتے تھے کرتے تھے بخیلوں کو ملامت
اسراف بھی مذموم ہے ۔ پر بخل سے کمتر ہے جس سے کہ انسان کو بالطبع عداوت
حالیؔ نے کہا رو کے نہ پوچھو سبب اِس کا یاروں کے لئے ہے یہ بیان موجب رقت
کرتے تھے بخیلوں کو ملامت سلف اُس وقت جب قوم میں افراط سے تھی دولت و ثروت
وہ جانتے تھے قوم ہو جس وقت تونگر پھر اُس میں نہیں بخل سے بدتر کوئی خصلت
اور اب کہ نہ دولت ہے نہ ثروت ہے نہ اقبال گھر گھر پہ ہے چھایا ہوا افلاس و فلاکت

ترغیب سخاوت کی ہے اب قوم کو ایسی — پرواز کی ہے چیونٹوں کو جیسے ہدایت

رؤسائے عہد کی فیاضی

کی رئیس شہر کی تعریف یاروں نے بہت — بر سبیل تذکرہ باہم جو ذکر اس کا چلا
بولے آج اس کا نہیں مہمان نوازی میں نظیر — عاملان شہر مدعو اُس کے رہتے ہیں سدا
ضلع کے احکام کا ادنیٰ اشارہ چاہیئے — پھر کوئی دیکھے سخاوت اسکی اور بذل و عطا
یادگاریں جتنی ہیں اعیان دولت کی بنیں — اُن میں صرف اسکی رقم ہے سب کے چندے سے سوا
پالکی یا ویگنٹ ہے جو سواری اُس کے پاس — اہلکاروں کے لئے ہے وقف بے چون و چرا
کیا کلکٹر کیا کمشنر کیا سپاہی کیا عسس — اُس کی ہمت کے ہیں سب مداح بے روئے ریا
جب یہ دیکھا مدح کا دفتر نہیں ہوتا تمام — جوڑ کر ہاتھ۔ اُن سے حالیؔ نے بصد منت کہا
عیب بھی اُس کا کوئی آخر کر دیا رو بیاں — سُنتے سُنتے خوبیاں جی اپنا متلانے لگا

ایمان کی تعریف

فقیہ شہر نے ایمان کی جو کی تعریف — تو دی چراغ سے اُس کو بہ آب و تاب مثال
کہا فتیلۂ اقرار باللسان ہے ضرور — جہاں ہو آتش تصدیق و روغن اعمال
کہا کسی نے کہ نکلا ہے اندنوں اک تیل[1] — نہیں ضرور فتیلہ کا جس میں استعمال

---

[1] یعنی کروسین آئل جو بغیر بتی کے بھی جل سکتا ہے گویا مجیب کے نزدیک اقرار باللسان ایمان کی تعریف میں داخل نہیں ہے ۱۲ +

برکت و اتفاق

کہہ رہا تھا یہ اِک آزاد کہ ہے جن میں ملاپ
دولت و بخت ہے ہر حال میں اُن کے ہمراہ

نہ انہیں حاجتِ اعوان ۔ نہ تلاش انصار
نہ اُنہیں خوف بداندیش نہ بیم بدخواہ

پر نہیں رابطہ جس قوم میں اور یک جہتی
اُس کی دُنیا سے یہ سمجھو کہ گئی عزت و جاہ

نہ ملا ذاں کے لئے قلعہ نہ خندق نہ فصیل
نہ مفید اُن کے لئے فوج نہ لشکر نہ سپاہ

ایک مُلّا نے سُنا جب یہ سخن ۔ فرمایا
تکیہ اور اِس قدر اسباب پہ کرنا ہے گناہ

اتفاق اور نفاق اصل میں کچھ چیز نہیں
دستِ قدرت کے ہے سب ہاتھ سفید اور سیاہ

واں نہ ملت کی ضرورت ہے نہ کچھ پھوٹ کا ڈر
پڑ گئی فضل کی مولا کے جدھر ایک نگاہ

کہا آزاد نے سچ ہے کہ وہ دے ساتھ اگر
کردیں افراد پراگندہ جماعت کو تباہ

پر مجھے خوب ہے اللہ کی عادت معلوم
اِس کو جب دیکھا ہی ۔ دیکھا ہی جتھوں کے ہمراہ

بعدِ صوری مانع قربِ معنوی نہیں ہے

حالی نے جو رہنے کے لئے شہر میں اِک گھر
جا اپنے محلہ سے کہیں دُور بسایا

جب اہلِ محلہ سے چلا ہو کے وہ رخصت
دِل دردِ جدائی سے عزیزوں کا بھر آیا

ہمسایۂ و احباب لگے کرنے سب افسوس
اِک دوست شکایت سے سخن لب پہ یہ لایا

بلی ۔ کہ جو بے عقل ہے دم دیتی ہے گھر پر
اتنی بھی محبت تمہیں گھر سے نہیں آیا؟

حالی نے کہا اُنس ہے چیز اَور ۔ وفا اور
بلی نے مزا اُنس کا وفا کے نہیں پایا

اُس مہر و وفا کی نہیں بلی پہ پڑی چھینٹ
کتے نے ہے جس کا کہ سبق ہم کو پڑھایا

ہم عش ہیں مکینوں پہ وہ عاشق ہیں مکاں کی گھر بھول گئے ہم تو نہیں تم کو بھلایا
گھر دل میں ہو یاروں کا تو پھر گھر ہی بلہ مشرق میں بنایا ہو کہ مغرب میں بسایا

ناصح مخلص اور اہل غرض میں تمیز

منصور نے یہ جعفر صادق سے عرض کی محتاج ہے ہمیشہ سے ناصح کا ہر بشر
کرتے رہیں گر آپ کرم مجھ پہ گاہ گاہ ہوتا رہوں گا پند سے حضرت کی بہرہ ور
فرمایا ہوتے ہیں تری صحبت میں جو شریک لائیں گے وہ نہ حرف نصیحت زبان پر
اور جن سے ہے امید نصیحت وہ بالیقیں صحبت میں بیٹھنے سے کرینگے تری حذر

خادم آقا کی خدمت میں کیوں گستاخ ہو جاتے ہیں

کہتے ہیں خادم مامون کے بہت گستاخ تھے ایک دن خادم کی گستاخی پہ مامون نے کہا
کوئی آقا جبکہ خوش اخلاق ہوتا ہے بہت پیش خدمت اس کے بد اخلاق ہوتے ہیں سدا
پر جو سچ پوچھو تو ہونا خادموں کا شوخ چشم ہے دلیل اسکی کہ ہے خود خلق آقا کا برا
کھو دیا ہیبت کو اپنی جس نے اور تمکین کو اس نے گویا ڈھا دیا رکن رکین اخلاق کا

خوشامد کرنے کی ضرورت

متوکل کا تیر چڑیا پر ہو گیا اتفاق سے جو خطا
ابن حمدون ندیم تھا حاضر کی خلیفہ کی مدح اور یہ کہا
جن کو خلق خدا پہ شفقت ہے خون بہانا نہیں وہ رکھتے روا
جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ تو نے دی قصداً اسکی جان بچا

ابن حمدوں نے کی یہ دانائی　　کہ خوشامد سے یوں اُسے تھپکا
دُور تھا ورنہ کیا خلیفہ سے　　ہو کے اپنی خطا سے کھسیانا
جائے کنجشک ابن حمدوں پر　　تیر کا اپنے امتحاں کرتا
ابن حمدوں کی جان گو جاتی　　دِل تو ہوتا خلیفہ کا ٹھنڈا!

رعیت پر نااہل کو مسلط کرنا

ہارون نے کہا، مصر لگا ہاتھ جب اُس کے　　"فرعون کا تھا مصر ہی نے مغز چلایا
وہ خطۂ ملعوں تھا یہی جس کی بدولت　　تھا دل میں خدائی کا خیال اُس کے سمایا
میں بھی اُسے اُس باغی طاغی کے علی الرغم　　اِک بندۂ بے قدر کو بخشوں گا خدایا"
کہتے ہیں خصیب ایک غلامِ حبشی تھا　　جس پر نہ پڑا تھا خرد و ہوش کا سایا
کی سلطنتِ مصر کی باگ اُس کے حوالے　　نااہل کے پنجہ میں اہالی کو پھنسایا
بارش گئی بہ ایک برس نیل کی رہ میں　　یہ حادثہ آ اُس کو کسانوں نے سُنایا
فرمایا کہ روئی کی جگہ بوتے اگر اُون　　ہوتا نہ یہ نقصان کہ جو تم نے اُٹھایا
ہارون نہ سمجھا کہ ودیعت ہے خدا کی　　محکوم ہے جو میری رعایا و برایا
فرعون کے مانند اگر وہ بھی سمجھتا　　اپنے خدا جس نے ہے عالم کا بنایا
جوکھوں میں نہ یوں ڈالتا مخلوق کو اپنی　　اِک سلفۂ ناکس کی بنا اس کو رعایا

رشک

ظاہر مردوں کی طینت میں نہیں رشک اِس قدر　　ہے طبیعت میں جتنا عورتوں کی جاگزیں

ایک شہزادی ۔ کہ اکلوتی تھی جو ماں باپ کی — تخت شاہی پہ ہوئی بعد از پدر مسند نشین
سلطنت میں اُس کے تھا مردوں کو کلی اختیار — عورتیں اصلا دخیل اس کی حکومت میں نہ تھیں
مرد ہی تھے اس کے محرم ۔ مرد ہی اسکے مشیر — تھا نہ عورت کا پتا دربار میں اُس کے کہیں
تخلیہ میں ایک دن جب چند حاضر تھے ندیم — ہنس کے فرمایا کہ اے دولت کے ارکانِ رکین
مرد ہونے کے سبب تم سے نہیں مانوس میں — بلکہ ہے اُنس اس لئے تم سے کہ تم عورت نہیں
بات کی حسنِ بیاں سے اُس نے دی صورت بدل — تاکہ کوئی سوءِ ظن اس پر نہ کر بیٹھے کہیں
ورنہ یوں کہتی کہ ہے عورت کی سیرت سے مجھے — اس لئے نفرت کہ ہے مردوں کی صورت دلنشین

قانون

کہتے ہیں ہر فرد انساں پر ہے فرض — ماننا قانون کا بعد از خدا
پر جو سچ پوچھو ۔ نہیں قانوں میں — جان کچھ مکڑی کے جالے سے سوا
اُس میں پھنس جاتے ہیں جو کمزور ہیں — اور ہلا سکتے نہیں کچھ دست و پا
پر اُسے دیتے ہیں توڑ اک آن میں — جو سکت رکھتے ہیں ہاتھوں میں ذرا
حق میں کمزوروں کے ہے قانون وہ — اور نظر میں زورمندوں کی ہے لا

شادی قبل از بلوغ

جب تک نہ شہزادہ اٹھارہ سال کا ہو — تخت پدر پہ اس کو ممنوع ہے بٹھانا
قانون ہے بنایا یہ ان مقننوں نے — عالم میں آجکل جو مانے ہوئے ہیں دانا
لیکن کریں نہ اسکی قبل از بلوغ شادی — کہتے ہیں وہ عبث ہے قانون یہ بنانا

نزدیک اُن کے گویا برغمِ عقل و دانش — ہے گنگا دم سے آسان ہیضم کو بس میں لانا

حرص

اثنائے وعظ میں ہے تکیہ کلام واعظ — قدر قلیل ہے سب مال و منالِ دُنیا
گویا کہ حرص اُن کی اِس سے بجھی نہیں ہے — ہے جس قدر فراہم پاس اُن کے مالِ دُنیا

امرا اور عقلا

جاتے ہیں اگر پاس امیروں کے خردمند — وہ جانتے ہیں جو کہ ہے جانے کی ضرورت
پر اپنی ضرورت سے خبردار نہیں ہیں — ملتے عقلا سے نہیں جو صاحبِ ثروت
بیمار کے محتاج ہیں جتنے کہ اطبا — بیمار کو کچھ اِس سے سوا اُن کی ہے حاجت

عصمت بی بی از بے چادری

اے بینواؤ ہنستے ہو کیا منعموں پہ تم — اخلاق میں کچھ اُن کے اگر آگیا بگاڑ
تم زد سے نفس کی ہو جبھی تک بچے ہوئے — ہے جب تلک کہ پکڑے ہوئے مفلسی کی آڑ
اسباب جو کہ جمع ہیں منعم کے گرد و پیش — گر تم کو ہوں نصیب تو دُنیا کو دو اُجاڑ

سچ کہاں ہے

دیکھنے ہوں تمہیں گر جھوٹ کے انبار لگے — دیکھ لو جا کے خزانوں میں کتب خانوں کے
سچ کو تحریروں میں پاؤ گے نہ تقریروں میں — سچ کہیں ہے تو وہ سینوں میں ہے انسانوں کے

اپنا الزام دوسروں پر تھوپنا

کھوٹے کاریگر سے جب کوئی بگڑ جاتا ہے کام — اپنے اوزاروں کو وہ الزام دیتا ہے سدا!

افسروں کا بھی یہی شیوہ ہے وقتِ بازپرس اپنے ماتحتوں کے سر دیتے ہیں تھوپ اپنی خطا

خوشامد کے معنی

خوشامد کرتے ہیں آ کے جو لوگ تمہاری ہر دم اے اربابِ دولت
خوشامد پر نہ اُن کی بھولنا تم وہ گویا تم کو کرتے ہیں ملامت
کہ جو ہم نے بیاں کیں خصلتیں نیک نہیں اُن میں سے تم میں ایک خصلت

تدبیرِ قیامِ سلطنت

تدبیر یہ کہتی تھی کہ جو ملک ہو مفتوح واں پاؤں جمانے کے لئے تفرقہ ڈالو
اور عقل خلاف اُسکے بھی یہ مشورہ دیتی یہ حرف سبک بھول کے مُنہ سے نہ نکالو
پھر رائے نے فرمایا کہ جو کہتی ہے تدبیر مانو اُسے۔ اور عقل کا کہنا بھی نہ ٹالو
کرنے کے ہیں جو کام وہ کرتے رہو لیکن جو بات سبک ہو اُسے مُنہ سے نہ نکالو

مرد اور عورت کی حکومت کا فرق

پوچھا کسی دانا سے سبب کیا ہے کہ اکثر مردوں کی حکومت میں ہے ملکوں کی بُری گت
لیکن بخلاف اِسکے۔ ہے عورت کا جہاں راج واں مُلک ہے سرسبز اور آباد رعیت
فرمایا کہ ہوتے ہیں جہاں مرد جہاں دار قبضہ میں ہے واں عورتوں کے دولت و مکنت
اور سر پہ ہے عورت کے جہاں افسرِ شاہی سمجھو کہ ہے اُس مُلک میں مردوں کی حکومت

مغرور کی پہچان

غرور زید کی کرتا ہے گر شکایت عمرو تو سمجھو۔ کرتا ہے اپنے غرور کا اظہار

جنہوں نے آپ کو سب سے سمجھ لیا ہے بڑا — بڑائی دیکھ نہیں سکتے غیر کی زنہار

کام اچھا کرنا چاہیئے نہ جلد

کام اچھا کوئی بن آیا اگر انسان سے — اُس نے کی تاخیر اس نے جس قدر اچھا کیا
کب کیا کیونکر کیا یہ پوچھتا کوئی نہیں — بلکہ ہیں یہ دیکھتے جو کچھ کیا کیسا کیا

گدائے مبرم

اِک برہمن مورتی کے سامنے با صد نیاز — مانگتا تھا ہاتھ پھیلائے دُعا بیٹھا کہیں
آن نکلا بانولا اک مانگتا کھاتا اُدھر — دیکھ محویت برہمن کی گیا بس جم وہیں
جی میں آیا چھیڑ کر قائل برہمن کو کرے — تا کہ پوچھے کچھ نہ کچھ یاروں کو ہو کر شرمگیں
مورتی کے سامنے جب کر چکا وہ التجا — بانولا بولا کہ ہے تو بھی عجب کوتاہ بیں
مورتی کچھ تجکو دے گی اور نہ دے سکتی ہے وہ — ناحق اتنی التجائیں اس کے آگے تو نے کیں
ہنسکے برہمن نے کہا ہے مانگنا بندہ کا کام — دے نہ دے وہ اس سے کچھ مطلب نہیں اپنے تئیں
ہم نہیں دیتے دھنی تم جیسے ڈھیٹوں کی طرح — ہاتھ پھیلاتے ہیں لیکن پاؤں پھیلاتے نہیں

بے اعتدالی

تم اے خود پرستو طبیعت کے بندو — ذرا وصف اپنے سنو کان دھر کے
نہیں کام کا تم کو اندازہ ہرگز — جدھر ڈھل گئے ہو رہے بس ادھر کے
جو گانے بجانے پہ آئی طبیعت — تو چیخ اٹھے دو دن میں ہمسائے گھر کے
جو مجرے میں بیٹھو تو اٹھو نہ جب تک — کہ اٹھ جائیں ساتھی سب اک ایک کر کے

اگر پل پڑے چوسر اور گنجفے پر — تو فرصت ملے شاید اب تم کو مر کے
پڑا مرغ بازی کا پُرکا تو جانو — کہ بس ٹھن گئے عزم جنگ تتر کے
چڑھا بھوت عشق و جوانی کا سر پر — تو پھر گھاٹ کے آپ ہیں اور نہ گھر کے
جب ہے تم کو کھانے کا چسکا تو سمجھو — کہ چھوڑیں گے اب آپ ؂ تفنخ کو بھر کے
جو پینے پہ آؤ تو پی جاؤ اتنا — رہیں پانوں کے ہوش جن میں نہ سر کے
جو کھانا تو بیحد جو پینا تو اَتْ گَتْ — غرض یہ کہ سرکار ہیں پیٹ بھر کے

طبیب اپنے بیماروں کے مرنے پر مغموم کیوں نہیں ہوتے

بشر کے صدمہ سے ہوتا ہے ہر بشر کو ملال — کہ ایک جڑ کی ہیں سب ٹہنیاں صغار و کبار
یہ صدمہ گر غلطی سے کسی کی پڑتا ہے — تو اور بھی اُسے دیتا ہے انفعال فشار
یہی سبب ہے کہ ہوتے نہیں طبیب ملول — جو چل بسے کوئی اِن کے علاج میں بیمار
وہ جانتے ہیں کہ تھپ جائے گی خطا ہم پر — کیا ملال کا اپنے گر اِس جگہ اظہار

اپنی ایک خوبی کو بار بار ظاہر کرنا

گو آدمی کا حافظہ کیسا ہی ہو قوی — پر بھول چوک ہے بشریت کا مقتضا
ہوتا ہے اس سے کار نمایاں کوئی اگر — کرتا ہے بار باریاں اُس کو بر مَلا
یہ تو وہ بھولتا نہیں ہرگز کہ چاہیئے — ہر بار اپنی مدح کا پیرایہ اِک جدا

؂ یعنی پیٹ بھر کے۔ احمق۔ احمق کا لفظ اکثر اِس مقام پر حذف کر دیتے ہیں گویا مخاطب کے سوا کسی پر اِس کی حماقت ظاہر کرنا نہیں چاہتے ۱۲

پر اتفاق سے نہیں رہتا یہ اُس کو یاد — یاروں سے میں بیان ابھی کر چکا ہوں کیا
بھولے نہ اپنی یاد پہ انسان کو چاہئے — آخر بشر کا خاصہ ہے سہو اور خطا

فضول خرچی کا انجام

سرے پہ راہ کے بیٹھا تھا اک گدائے غریب — جہاں سے ہو کے گذرتے تھے سب صغیر و کبیر
ہر اک سے ایک درم مانگتا تھا بے کم و بیش — سخی ہو اس میں کہ ممسک، غریب ہو کہ امیر
فضول خرچ تھا بستی میں ایک دولت مند — کہ جس کا تھا کوئی اسراف میں نہ شبہ و نظیر
ہوا جو ایک دن اُس راہ سے گذر اُس کا — درم اک اُس نے بھی چاہا کہ بھیجے نذر فقیر
کہا فقیر نے گو اپنی یہ نہیں عادت — کہ لیں درم سے زیادہ کسی سے ایک شعیر
پہ لوں گا آپ سے میں پانچ کم سے کم دینار — کہ دولت آپ کی پاتا ہوں میں زوال پذیر
یہی اللّے تللّے رہے تو آپ کو بھی — ہماری طرح سے ہونا ہے ایک روز فقیر
سو وقت ہے یہی لینے کا خود بدولت سے — دکھائے دیکھئے پھر اِس کے بعد کیا تقدیر

اختلاف مذاہب رفع نہیں ہو سکتا

غیر ممکن ہے کہ اُٹھ جائے دلیل و بحث سے — جو چلا آتا ہے باہم اہلِ مذہب میں خلاف
ہو نہیں سکتا مطابق جبکہ دو گھڑیوں کا وقت — رفع ہو سکتے ہیں پھر کیونکر ہزاروں اختلاف

اِنسان جو اشرف المخلوقات ہے سب سے زیادہ موردِ آفات ہے

دِل پہ جو کیفیتیں ہیں ناگوار — وہ ہیں اُن میں سے نہایت جانگزا
ایک فکر اُس آنے والے وقت کی — شک نہیں ہے جس کے آنے میں ذرا

دوسرے چوٹیں زبانِ خلق کی ‏ ‏ زخم جن کا زخم ہے تلوار کا
اَور بھی حیوان ناطق کے لئے ‏ ‏ ہیں بہت سی زحمتیں اِن کے سوا
پر کسے اقدا اور حیوانات سب ‏ ‏ رہتے ہیں دور۔ ان گزندوں سے سدا
کیسا اِن آلام سے رہتا نچنت ‏ ‏ اشرف المخلوق اگر ہوتا گدھا

چنڈو بازی کا انجام

ایک متوالے سے چنڈو کے وہ تھا ہوش میں جب ‏ ‏ پوچھا ناصح نے کہ اِس کام کا آخر انجام؟
بولا انجام وہی جو کہ ہے سب کو معلوم ‏ ‏ زندگانی کو وداع اور جوانی کو سلام
آنکھ میں اپنے پرائے کی گھٹنا بے قدر ‏ ‏ شہر کے کوچہ و بازار میں رہنا بدنام
جس سے عقبیٰ ہو درست ایسا نہ بونا کوئی بیج ‏ ‏ جس سے دُنیا میں ہو نام ایسا نہ کرنا کوئی کام
ہم پہ آئینہ ہے جو حال ہے ہونا اپنا ‏ ‏ نفس سرکش کے مگر ہاتھ میں ہے اپنی زمام
کہا ناصح نے کہ انجام ہو معلوم اگر ‏ ‏ لے نہ اِس زہر ہلاہل کا کوئی بھُول کے نام
یہ تو کہتے ہو کہ انجام بُرا ہے لیکن ‏ ‏ یہ بتاؤ کہ بُرا ہوتا ہے کیسا انجام
بُرے انجام کی تب ہوگی حقیقت روشن ‏ ‏ بُرے انجام سے جب آ کے پڑے گا خود کام
مرنے والے ہی کو ہے موت کی لذّت معلوم ‏ ‏ گو کہ رکھتے ہیں یقین موت کا سب پختہ و خام

قوم کی پاسداری

اِک مُسلمان خاص انگریزوں پہ تھا یوں نکتہ چیں ‏ ‏ پاس اِن لوگوں کو اپنی قوم کا ہے کس قدر
چاہتے ہیں۔ نفع پہنچے اپنے اہلِ مُلک پر ‏ ‏ گو کہ اُن کے نفع میں ہو ایک عالم کا ضرر

کارخانہ کا را جس کے کبھی چاقو نہ لیں / اِس کا ہو بیچارہ ہندی بیچنے والا اگر
خود نئی چیزیں جو یاں سے لینی پڑتی ہیں انہیں / اِن کو لندن سے منگائیں بس چلے اِن کا اگر
الغرض اہلِ وطن کی پاسداری کو یہ لوگ / جانتے ہیں دین و ایمان اپنا قصہ مختصر
سُن کے حالیؔ نے کہا یہ حصر انگریزوں پہ کیا / ایک سے ہے ایک قوم اِس عیب میں آلودہ تر
ہیں محبت میں سب اللہ سے اپنی اپنی قوم کے / یہ وہ خصلت ہے کہ مجبول اِس پہ ہے طبع البشر
ملکیاں جتنی ہیں گن جاتے ہیں پاس قوم میں / اچھے اچھے راستباز اور حق پسند اور دادگر
ہاں بری اِس عیب سے دیکھے اگر دنیا میں ہے / چشمِ بد دور اُمتِ مرحوم اے جانِ پدر
اور قوموں سے انہیں لوگوں کو ہے یہ امتیاز / حملہ جب کرتے ہیں کرتے ہیں یہ اپنی فوج پر
ہو گا خوف ایسا نہ دشمن سے کسی دشمن کو یاں / جس قدر ہے اُن سے اپنوں اور بیگانوں کو خطر"

غزلیات قدیم و جدید

چونکہ بہت سی ردیفیں قدیم غزلیات میں اور بہت سی جدید غزلیات میں نہیں تھیں۔ اس لئے ہر ایک ردیف میں دونوں قسم کی غزلیں ملا جلا کر لکھ دی گئی ہیں۔ اور تمیز کے لئے ہر قدیم غزل کے شروع میں حاشیہ پر حرف ق لکھ دیا گیا ہے تاکہ ناظرین اندازہ کر سکیں قدیم و جدید غزل میں کیا فرق ہے۔

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ اک بندۂ نافرمان ہے حمد سرا تیرا
گو سب سے مقدم ہے حق تیرا ادا کرنا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ بندے سے مگر ہوگا حق کیونکہ ادا تیرا
محرم بھی ہے ایسا ہی جیسا کہ ہے نامحرم ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ کچھ کہہ نہ سکا جس پر یاں بھید کھلا تیرا
جچتا نہیں نظروں میں یاں خلعت سلطانی ‏ ‏ قطعہ ‏ ‏ کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں ‏ ‏ ۱ ‏ ‏ ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پہ محیط ان کو ‏ ‏ ۲ ‏ ‏ جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا
نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بیخود ‏ ‏ ۳ ‏ ‏ جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا
سمجھا ہے پرے سمجھوا، اک کی سرحد سے ‏ ‏ ۴ ‏ ‏ جس قوم نے رکھا ہے انکار روا تیرا
طاعت میں ادب تیرا عصیاں سے ہی گو بڑھ کر ‏ ‏ ۵ ‏ ‏ عصیاں میں ہے طاعت سے اقرار سوا تیرا
آفاق میں پھیلے گی کب تک نہ مہک تیری ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ گھر گھر لئے پھرتی ہے پیغام صبا[۱] تیرا

---

[۱] یہ اشارہ ہے اس حدیث کی طرف۔ الا انّ للّٰہ نفحات فی الدہر الا فتعرضوا لہا

یعنی خدا کی خوشبوئیں زمانہ میں پھیلی ہوئی ہیں۔ سو ان کا آگا لو بعد ان کو اور پتہ نہ چلے ءء ۱۲

ہر بول ترا دل سے ٹکرا کے گزرتا ہے
کچھ رنگ بیان حالیؔ ہے سب سے جدا تیرا

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا — باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ — ہر دل پہ چھا رہا ہے رعب جمال تیرا
کاوش میں ہے اگلی ذکر میں ہے طبعی — جو حل ہوا نہ ہوگا وہ ہے سوال تیرا
چھوٹے ہوئے ہیں گو جی پر دل بندھے ہوئے ہیں — ملنے سے بھی سوا ہے چھٹنا محال تیرا
گو حکم تیرے لاکھوں یاں ٹلتے رہے ہیں — لیکن ٹلا نہ ہرگز دل سے خیال تیرا
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی — پھیلا ہوا ہے ہر سو عالم میں جال تیرا
ان کی نظر میں شوکت جچتی نہیں کسی کی — آنکھوں میں بس رہا ہے جن کی جلال تیرا
دل ہو کہ جان۔ تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے — دل ہے سو چیز تیری جان ہے سو مال تیرا
ہے پور زال سے دل اس کا قوی زیادہ — رکھتی ہے آسرا یاں جو پیر زال تیرا
ہے پاس دوستوں کے تیری یہی نشانی — یارب کبھی نہ پلٹے زخم اندمال تیرا

بیگانگی میں حالیؔ۔ یہ رنگ آشنائی
سن سن کے سر دھنیں گے قال اہل حال تیرا

رہ طلب میں دشتِ جنوں کی تیرے عجب مزا خوشگوار دیکھا
نہ اس سفر میں تکان دیکھی نہ اس نشے میں خمار دیکھا
نہ جی رکھائی سے تیری چھوٹے نہ بے نیازی سے آس ٹوٹے

رہے سدا نامراد جویاں اُنہیں بھی اُمیدوار دیکھا

رُخِ جہاں سوز تیرا دیکھا نظارہ افروزِ جس چمن میں
نہ بلبل و گل میں وان تعلق نہ سرو و قمری میں پیار دیکھا

سوئے محل کی جستجو میں ہزاروں دشتِ طلب میں دوڑے
نہ محل آیا نظر نہ ناقہ فقط کچھ اُٹھتا غبار دیکھا

جو لاکھ میں ایک پر کہیں کچھ دکھلا بھی قسمت سے بھید تیرا
ملا نہ کھوج اُس کا پھر کسی کو ہزار ڈھونڈھا ہزار دیکھا

لگن میں تیری نکل گئے جو نہ جھجکے دریائے پُرخطر سے
گئے وہ کود آنکھ بند کر کے نہ وار دیکھا نہ پار دیکھا

بچے ہوئے کاہشوں سے یاں کی وہی ہیں جو تیرے ہو رہے ہیں
وگرنہ زخموں سے حادثوں کے ہر ایک سینہ فگار دیکھا

چمن میں بھولے سے جا بھی نکلے اگر کبھی داغدار تیرے
گل اُن کی نظروں میں چبھتے دیکھا کھٹکتے آنکھوں میں خار دیکھا

خبر نہیں یہ کہ کیا ہے۔ کیسا ہے۔ کون ہے۔ اَور تو کہاں ہے
یہ اپنے میں اَور تجھ میں ہم نے علاقہ اِک استوار دیکھا

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبر ترسا ہوں یا مسلماں
نہ اُن سے کچھ تیرا بیر پایا نہ اِن سے کچھ تیرا پیار دیکھا

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیئے ہاتھ باندھ سب کے
جنہیں تھا یاں اختیار سب کچھ انہیں بھی بے اختیار دیکھا
بشر سے کچھ ہو سکے نہ حالی تو ایسے جینے سے فائدہ کیا
ہمیشہ بیکار تجھ کو پایا کبھی نہ سرگرم کار دیکھا

پردہ ہو لاکھ کینۂ شمر و یزید کا — چھپتا نہیں جلال تمہارے شہید کا
مضمون ہے نقش دل میں لدینا مزید[1] کا — کونین سے بھرے گا نہ دامن امید کا
قفل درِ مراد سب اکبار کھل گئے — چھوڑا جب آرزو نے بھروسا کلید کا
دیکھا ہے ہم نے عالمِ رحمت کو غور سے — ہے شش جہت میں قحطِ دلِ ناامید کا
شرمِ کرم کی ہیں یہی پردہ داریاں — انجام ایک ہوگا شقی و سعید کا
ہے نزد بانِ جذبۂ توفیق درمیان — یاں امتیاز کیا ہے قریب و بعید کا
ہے آسمان پہ تیرے جگر خوار کا دماغ — خونِ جگر میں نشہ ہے جام نبید کا
تسکین نہیں مشاہدہ گاہ گاہ سے — یارب یہ روزہ دار ہے مشتاق عید کا
دوزخ ہے گرو سیع تو رحمت وسیع تر — لا تقنطوا جواب ہے ھل من مزید کا

حالی کی ہیں اگر یہی شیوا بیانیاں
لے گا نہ کوئی نام ظہیر و رشید کا

---

[1] قرآن شریف میں ہے لھم ما یشاءون فیھا ولدینا مزید یعنی اہل جنت کے لئے جنت میں جو کچھ وہ چاہیں گے سب کچھ ہوگا اس کے سوا ہمارے پاس کچھ اور بھی ہے ۱۲

نعت

یا ملکی الصفات یا بشری القویٰ | نیک دلیل و علی انک خیر الوریٰ
تجھ سے ہوئی زندہ خلق جیسے کہ بارش سے خاک | خلقک خصب الزمان بعثک محیا الوریٰ

دعوے روشن ترا ثابت بے بینہ | صورت و سیرت تری صدق پہ تیرے گوا
قال ترا اور حال نشۂ وحدت میں چور | اوڑھنا تیرا خدا اور بچھونا خدا
غیب سے بھیجا تجھے ٹاپتا پھرتا تھا جب | دشت میں بھٹکا ہوا قافلہ بے رہنما
اٹھا ہدایت کو تو عین ضرورت کے وقت | جیسے کہ ہنگام قحط قبلہ سے اٹھے گھٹا
شان رسالت کی تھی تیری جبیں سے عیاں | گود سے دایہ ابھی کر نہ چکی تھی جدا
گلۂ بنی سعد کا جب کہ چراتا تھا تو | گلۂ آدم تجھے سونپ چکی تھی قضا
دوڑ پڑے سوئے حق کاٹ کے سب بیڑیاں | امیوں کے جب پڑی کان میں تیری صدا
راہب و قیس و حبر رہ گئے دل تھام کر | دیکھ کے تیرا قدم ہم قدم انبیا
خاک تھی جس ملک کی مزرع شر و فساد | تو نے اسی کو دیا ارض مقدس بنا
تو نے تحمل کیا قوم کا غلبہ تھا جب | جب ہوئی مغلوب قوم تو نے ترحم کیا
چھوڑ گئے تھے سلف کام ادھورے بہت | تو نے کیا دام دام قرض سب ان کا ادا
تو نے کیا ستر حق عارف و عامی پہ فاش | ایک کو سمجھا دیا ایک کو دکھلا دیا
چوٹ سے حق کی رہا دل نہ اچھوتا کوئی | ایک کے چرکا لگا ایک کو گھائل کیا
حجت حق کر چکا دین ترا جب تمام | پھر نہ کسی دین کا رنگ جہاں میں جما

دیر[1] ہوئے بے چراغ اور صلوات یہود — شرک ہوا مضمحل اور کہانت ہبا
بجھ گئے آتشکدے بیٹھ گئے بتکدے — ہو گئے تثلیث مات اور ثنویت[2] فنا
اُٹھے بہت مدعی جیسے کہ ساون میں گھانس — مزبلہ پر چند روز باقی ہے نشو و نما
غیرتِ حق نے مگر جلد لیا انتقام — مِل گئے اُٹھ اُٹھ کے سب خاک میں اہلِ ہوا
رہ گیا نام سجاح[3] کذب میں ضرب المثل — اسود و ابن کثیر خوار ہوئے برملا
سلسلۂ انبیاء ختم نہ ہوتا۔ اگر — حق کی حقیقت سے تو پردہ نہ دیتا اُٹھا
آتے ہی چشمہ دیا تو نے کنوئیں سے نکال — جس کو چلے آتے تھے کھودتے سب انبیا
بس نہ رہا اشتباہ اب حق و باطل میں کچھ — بیچ چکا تیرے ہاتھ ملّتِ بیضا خدا

تجھ پہ صلواۃ و سلام ربِ سموات سے
روز و شب و صبح و شام تسعمال وحطے

اے عشق تو نے اکثر قوموں کو کھا کے چھوڑا — جس گھر سے سر اُٹھایا اُس کو بٹھا کے چھوڑا
ابرار تجھ سے ترساں احرار تجھ سے لرزاں — جو زد پہ تیری آیا اُس کو گرا کے چھوڑا

---

[1] دیر۔ راہبوں کا کلیسا۔ صلوات۔ یہودیوں کا کلیسا ہبا غبار ناچیز ۱۲

[2] مجوسی جو دو خدا ایک خالق خیر اور ایک خالق شر یعنی یزدان اور اہرمن کو مانتے ہیں۔ اس عقیدے کو ثنویت کہتے ہیں ۱۲

[3] سجاح۔ ایک عورت مدعیہ نبوت کا نام ہے۔ جس کا کذب عرب میں ضرب المثل ہے چنانچہ کہتے ہیں ھو اکذب من سجاح اور اسود عنسی اور مسیلمہ جس کی کنیت ابن کثیر ہے۔ یہ دونوں مدعی نبوت تھے۔ جو آخر کار قتل کئے گئے۔

رایوں کے راج چھینے شاہوں کے تاج چھینے — گردن کشوں کو اکثر نیچا دکھا کے چھوڑا
کیا منعموں کی دولت کیا زاہدوں کا تقویٰ — جو گنج تو نے تاکا اس کو لٹا کے چھوڑا
جس رہ گذر میں بیٹھا تو غول راہ بن کر — صنعاں سے راست رو کو رستے بھلا کے چھوڑا
فرہاد کوہکن کی لی تو نے جان شیریں — اور قیس عامری کو مجنوں بنا کے چھوڑا
یعقوب سے بشر کو دی تو نے ناصبوری — یوسف سے پارسا پر بہتان لگا کے چھوڑا
لاگ اور لگاؤ دونو میں دلگداز تیرے — پتھر کے دل تھے جن کے ان کو رلا کے چھوڑا
عقل و خرد نے تجھ سے کچھ چپقلش جہانکی — عقل و خرد کا تو نے خاکا اڑا کے چھوڑا
علم و ادب رہے ہیں دبلے ترے ہمیشہ — ہر معرکہ میں تو نے ان کو دلا[1] کے چھوڑا
افسانہ تیرا رنگیں روداد تیری دلکش — شعر و سخن کا تو نے جادو بنا کے چھوڑا

اک دسترس سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اس کے بھی دل پہ آخر چرکا لگا کے چھوڑا

دیکھ اے امید کیجو ہم سے نہ تو کنارا — تیرا ہی رہ گیا ہے لے دے کے اک سہارا
یوں بے سبب زمانہ پھرتا نہیں کسی سے — اے آسمان کچھ اس میں تیرا بھی ہے اشارا
میخانہ کی خرابی جی دیکھ کر بھر آیا — مدت کے بعد کل واں جا نکلے تھے قضارا
اک شخص کو توقع بخشش کی بے عمل ہے — اے زاہدو تمہارا ہے اس میں کیا اجارا
دنیا کے خرخشوں سے چیخ اٹھتے تھے ہم اول — آخر کو رفتہ رفتہ سب ہو گئے گوارا

---

[1] دلانا۔ کشتی دلانا۔ یعنی پچھاڑنا۔ اکثر کشتی کا لفظ حذف کر کے صرف دلانا بولتے ہیں ۱۲

توفیق نے ہمیشہ لی تمنت پر خبریاں ... جب ناؤ ڈگمگائی پاس آگیا کنارا
انصاف سے جو دیکھا نکلے وہ عیب سارے ... جتنے ہنر تھے اپنے عالم میں آشکارا
افسوس۔ اہلِ دیں بھی مانند اہلِ دُنیا ... خودکام و خودنما ہیں خودبیں ہیں اور خودآرا
اُمت کو چھانٹ ڈالا کافر بنا بنا کر ... اسلام ہے فقیہو! ممنوں بہت تمہارا
کیا پوچھتے ہو کیونکر سب نکتہ چیں ہوئے چپ ... سب کچھ کہا اُنہوں نے پر ہم نے دم نہ مارا
حالی سے کام ہے یاں فعلوں سے اُسکے کیا کام
اچھا ہے یا بُرا ہے پھر یار ہے ہمارا

رونا نہ ہوگا حالی شاید یہ کم تمہارا ... جب دیکھو آنسوؤں سے دامن ہے نم تمہارا
اُلفت میں دم بدم کچھ لذت ہے بڑھتی جاتی ... چھوڑیگا کھا کے شاید عاشق کو غم تمہارا
عاقل ہیں شہر میں کم ناداں بہت ہیں واعظ ... ہے مصلحت کہ اکثر بھرتے ہیں دم تمہارا
دلجو نہیں کوئی یاں حیف اے صنم پرستو ... دلکش بہت تھا ورنہ بیت الصنم تمہارا
گاہک کی قدر سے کچھ قیمت نہ پاؤ گے تم ... اپنی نظر میں ہوگا گر وزن کم تمہارا
دشتِ طلب کے رستو طے ہوگئے کس طرح تم ... آتا نہیں سمجھ میں کچھ پیچ و خم تمہارا
دو بینواؤں کو بھی کچھ جم کے جانشینو ... بس جامِ جم ہمارا اور مُلک جم تمہارا
روسی ہوں یا تتاری ہم کو ستا ئیں گے کیا ... دیکھا ہے ہم نے برسوں لطف و کرم تمہارا
کھولی ہیں تم نے آنکھیں اے حادثو ہماری ... احسان یہ نہ ہرگز بھولیں گے ہم تمہارا
ہوتے ہی تم تو بیدل کچھ رو دیئے سوار و ... ہے لاکھ لاکھ من کا ایک اِک قدم تمہارا

رستے میں گر نہ ٹھہرے تو تم بھی جا لوگے — گذرا ابھی ہے یاں سے خیل و حشم تمہارا
پھرتے ہو اِدھر اُدھر کس کی تلاش میں تم — گم ہے تمہیں میں یارو باغِ ارم تمہارا

جادو رقم تو مانیں ہم دل سے تم کو حالی
کچھ کر کے بھی دکھائیے زورِ قلم تمہارا

وہ دل ہے شگفتہ نہ وہ بازو ہیں توانا — پہنچا ہے بس اب کوچ کا تم سمجھو زمانا
خود مہرِ وطن سے ہے وداع اب کے سفر میں — جانا ہے وہاں پھر کے جہاں سے نہیں آنا
دلّی سے نکلتے ہی ہوا جینے سے دل سیر — گویا نہ رہا اب کہیں دُنیا میں ٹھکانا
یارب طلبِ وصل ہو یا ہو طربِ وصل — جس دن کہ یہ دونوں نہ ہوں وہ دن نہ دکھانا
دنیا کی حقیقت نہیں جز حسرت و حرماں — چھل بل میں تم اِس زال فسونگر کی نہ آنا
افسوس کہ غفلت میں کٹا عہدِ جوانی — تھا آبِ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ مانا
یاروں کو ہمیں دیکھ کے عبرت نہیں ہوتی — اب واقعہ سب اپنا پڑا ہم کو سُنانا
دُنیا میں اگر ہے بھی فراغت کا کوئی دن — وہ دن ہے کہ جس دن ہے اِسے چھوڑ کے جانا
لی ہوش میں آنے کی جو ساقی سے اجازت — فرمایا خبردار کہ نازک ہے زمانا

ڈھارس سی کچھ اے ہمقدمو تم سے بندھی ہے
حالی کو کہیں راہ میں تم چھوڑ نہ جانا

جہاں میں حالی کسی پہ اپنے سوا بھروسا نہ کیجئے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجئے گا

ہو لاکھ غیروں کا غیر کوئی ۔ نہ جاننا اُس کو غیر ہرگز
جو اپنا سایہ بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجے گا

سُنا ہے صوفی کا قول ہے یہ کہ ہے طریقت میں کفر دعوے
یہ کہہ دو ۔ دعویٰ بہت بڑا ہے پھر ایسا دعویٰ نہ کیجے گا

اسی میں ہے خیر حضرتِ دل کہ یار بھولا ہوا ہے ہم کو
کرے وہ یاد ۔ اِس کی بھول کر بھی کبھی تمنا نہ کیجے گا

کہے اگر کوئی تم کو واعظ! اِک کہتے کچھ اور کرتے ہو کچھ
زمانہ کی خو ہے نکتہ چینی کچھ اِس کی پروا نہ کیجے گا

کمال ہے ضبطِ بے کمالی ۔ نہیں ملاپ ان میں حرف گیرو!
جو ہم پہ کچھ چوٹ کیجیے گا تو آپ بیجا نہ کیجے گا

لگاؤ تم میں نہ لاگ زاہد نہ دردِ اُلفت کی آگ زاہد
پھر اور کیا کیجیے گا آخر جو ترکِ دُنیا نہ کیجے گا

تمہارا تھا دوست ۔ اِرحالی اور اپنے بیگانہ کا رضا جو
سلوک اِس سے کئے یہ تم نے تو ہم سے کیا کیا نہ کیجے گا

ہو عزم دیر شاید کعبہ سے پھر کر اپنا — آتا ہے دُور ہی سے ہم کو نظر گھر اپنا
قیدِ خرد میں رہتے آتے نہیں نظر ہم — وحشت رہے گی دل کی دکھلا کے جوہر اپنا
پیر مغاں سے ہو کر تب سرخرو ملیں گے — فضل و ہنر کا ہو گا جب چاک محضر اپنا

بیگانہ وش ہے گروہ تو ہے ہمارے ڈھب کا | ایسوں ہی سے بنا ہے یارانہ اکثر اپنا
عصمت پہ اپنی تھی خود فطرت گواہ اپنی | کر بیٹھے اپنے ہاتھوں ہم چاک محضر اپنا
کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے | یہ ہے بضاعت اپنی اور یہ ہے دفتر اپنا

غیروں کو لیں گے آخر اپنا بنا کے کیا ہم
اپنوں ہی سے ہے حالیؔ کچھ دل مکدر اپنا

معنی کا تم نے حالیؔ دریا اگر بہایا | یہ تو بتاؤ حضرت کچھ کر کے بھی دکھایا
اے بانگ طبل شاہی دن ہو گیا جب آخر | خواب گراں سے تو نے ناحق ہمیں جگایا
تھا ہوش یاد گل کا دور خزاں میں کس کو | اے عندلیب نالاں یہ تو نے گل کھلایا
ویران ہے باغ تس پر پھولی نہیں سماتی | مژدہ صبا نے یا رب بلبل کو کیا سنایا
اے عشق دل کو رکھا دنیا کا اور نہ دین کا | گھر ہی بگاڑ ڈالا تو نے بنا بنایا
ڈرتے رہیں گے اب ہم بے جرم بھی سزا سے | احسان اس کا جس نے ناحق ہمیں ستایا
واعظ کی حجتوں سے قائل تو ہو گئے ہم | کوئی جواب شافی پر اس سے بن نہ آیا
آیا نہ تھا کبھی یاں گویا قدم خزاں کا | دو دن میں یوں پلٹ دی کس نے چمن کی کایا
تقلید قوم ہی پر گر ہے مدار تحسین | تو ہم نے دوستوں کی تحسین سے ہاتھ اٹھایا

دیکھا تو کچھ نظر میں حالیؔ جچا نہ اپنی
جو جو گمان تھے ہم کو انکا نشان نہ پایا

نفس دعوئ بے گناہی کا سدا کرتا رہا | گرچہ اترے جی سے دل اکثر ابا کرتا رہا

حق نے احساں میش کی اور میں نے کفراں میں کمی — وہ عطا کرتا رہا اور میں خطا کرتا رہا
چوریوں سے دیدہ و دل کی نہ شرمایا کبھی — چُپکے چُپکے نفس خائن کا کہا کرتا رہا
طاعتوں کی زد سے بچ بچ کر چلا راہِ خطا — وار اُن کا اِس لئے اکثر خطا کرتا رہا
نفس میں جو ناروا خواہش ہوئی پیدا کبھی — اِس کو حیلے دل سے گھڑ گھڑ کر روا کرتا رہا
مُنہ نہ دیکھیں دوست پھر میرا اگر جانیں کہ میں — اُن سے کیا کہتا رہا اور آپ کیا کرتا رہا
تھا نہ استحقاق تحسین پر سُنی تحسین سدا — حق ہے جو دون ہمتی کا وہ ادا کرتا رہا
شہرتِ اپنی جس قدر بڑھتی گئی آفاق میں — کبرِ نفس اتنا ہی یاں نشو و نما کرتا رہا

ایک عالم سے وفا کی تو نے اے حالی مگر
نفس پر اپنے سدا ظالم جفا کرتا رہا

کہیں الہام منوانا پڑے گا ۱ — کہیں کشف اپنا جتلانا پڑے گا
نہ ہو صوفی صفا گو تجھ میں لیکن ۲ — کرشمہ کوئی دکھلانا پڑے گا
نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو ورد — یہ گُر ناصح کو بتلانا پڑے گا
جنہیں ہو جھوٹ کو سچ کر دکھانا — انہیں سچوں کو جھٹلانا پڑے گا
عوام الناس کا ہو گا جنہیں مُنھ — انہیں خاصوں پہ مُنھ آنا پڑے گا
رہے وصفِ جناں کی مشق واعظ — تمہیں بچوں کو پھُسلانا پڑے گا
سخن میں پیروی کی گر سلف کی — انہیں باتوں کو دُہرانا پڑے گا
تعلق کا ہے پھندا پیچ در پیچ — یہ عقدہ ہم کو سلجھانا پڑے گا

بہت یاں ٹھوکریں کھائی ہیں ہم نے ۲ بس اب دُنیا کو ٹھکرانا پڑے گا
نہیں بُو انس کی اس غمکدے میں ۳ کہیں دل جا کے بہلانا پڑے گا
دِل اب صحبت سے کوسوں بھاگتا ہے ۴ ہمیں یاروں سے شرمانا پڑے گا
زمانہ کر رہا ہے قطع پیوند ۵ وفا سے ہم کو پچھتانا پڑے گا
جو منصوبے ہیں یہ حالی تو شاید ۶ ارادہ فسخ فرمانا پڑے گا

بشر پہلو میں دل رکھتا ہے جب تک
اُسے دُنیا کا غم کھانا پڑے گا

غزل

سخن پر ہمیں اپنے رونا پڑے گا — یہ دفتر کسی دن ڈبونا پڑے گا
عزیزو کہاں تک یہ آتش مزاجی — تمہیں جلد تر خاک ہونا پڑے گا
رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کا — بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑے گا
بن آئے گی ہر گز نہ یاں کچھ کئے بن — جو کچھ کاٹنا ہے تو بونا پڑے گا

ہوئے تم نہ سیدھے جوانی میں حالی
مگر اب مری جان ہونا پڑے گا

کب تک اے ابر کرم ترسائے گا — مینہ بھی رحمت کا کبھی برسائے گا
پھل کچھ اے نخل وفا تجھ میں نہیں — جو لگائے گا تجھے پچھتائے گا
دوست کا آیا ہے سمجھو اب پیام — آج اگر آیا نہیں کل آئے گا
ذوق سب جاتے رہے جز ذوق درد — اک یہ لپکا دیکھئے کب جائے گا

واعظ آتا ہے تو آنے دو اُسے ۱ (قطعہ) پر مزا آنے کا یاں کیا پائے گا
آئے گا اور ہم کو شرمائیگا مفت ۲ اور خود شرمندہ ہو کر جائے گا
عیب سے خالی نہ واعظ ہے نہ ہم ۳ ہم پہ مُنھ آئیگا مُنھ کی کھائے گا
دل کے تیور ہی کہے دیتے تھے صاف رنگ یہ دیوانہ اِک دن لائے گا
باغ و صحرا میں ہے جو تنگ دل جی قفس میں اُس کا کیا گھبرائے گا
رنگ گردوں کا ہے کچھ بدلا ہُوا ۱ (قطعہ) شعبدہ تازہ کوئی دکھلائے گا
ابر و برق آئے ہیں دونو ساتھ ساتھ ۲ دیکھیے برسے گا یا برسائے گا[1]

مشکلوں کی جس کو ہے حالی خبر
مشکلیں آسان وہی فرمائے گا

واں اگر جائیں تو لے کر جائیں کیا — مُنھ اُسے ہم جا کے یہ دکھلائیں کیا
دل میں باقی ہے وہی حرصِ گناہ — پھر کئے سے اپنے ہم پچھتائیں کیا
آؤ اُس کو لیں ہمیں جا کر منا — اِس کی بے پروائیوں پر جائیں کیا
دل کو مسجد سے نہ مندر سے ہے اُنس — ایسے وحشی کو کہیں بہلائیں کیا
جانتا دُنیا کو ہے اِک کھیل تو — کھیل قدرت کے تجھے دکھلائیں کیا
عمر کی منزل تو جوں توں کٹ گئی — مرحلے اب دیکھیے پیش آئیں کیا
دل کی سب باتوں کی ہے ناصح خبر — سمجھے سمجھائے کو بس سمجھائیں کیا

۱؎ برسنا۔ غصہ ظاہر کرنا ۱۲

مان لیجے شیخ جو دعویٰ کرے اک بزرگِ دین کو ہم جھٹلائیں کیا
ہو چکے حالیؔ غزل خوانی کے دن
راگنی بے وقت کی اب گائیں کیا

کاش اک جام بھی سالک کو پلایا جاتا اک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا
کر دیا اُس نے تو اللہ سے غافل ناصح! اُس کو کیوں بھولتے گر اُس کو بھلایا جاتا
چپ چپاتے اُسے دے آئے دل اک بات پہ ہم مال مہنگا نظر آتا تو چکایا جاتا
شب کو زاہد سے نہ مُڈبھیڑ ہوئی خوب ہوا نشہ زوروں پہ تھا شاید نہ چھپایا جاتا
دل کو یہ تو نے دُکھایا ہے کہ دُکھ جاتا ہے چیونٹی کا بھی اگر دل ہے دُکھایا جاتا
نامہ بر آج بھی خط لے کے نہ آیا یارو تم تو کہتے ہو کہ وہ ہے ابھی آیا جاتا
عشق اُس وقت سے سر پر ترے منڈلاتا تھا گودیوں میں تجھے تھا جبکہ کھلایا جاتا
لوگ کیوں شیخ کو کہتے ہیں کہ عیار ہے وہ اُس کی صورت سے تو ایسا نہیں پایا جاتا
بارہا دیکھ چکے تیرے فریب اے دُنیا ہم سے اب جان کے دھوکا نہیں کھایا جاتا
کرتے کیا پیتے اگر مے نہ عشا سے تا صبح وقت فرصت کا یہ کس طرح گنوایا جاتا
دل نہ طاعت میں لگا جب تو لگایا غمِ عشق کسی دھندے میں تو آخر یہ لگایا جاتا
اُس نے اچھا ہی کیا حال نہ پوچھا دل کا بھڑک اُٹھتا تو یہ شعلہ نہ دبایا جاتا
عشق سُنتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید خود بخود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا
اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالیؔ کہتے پہلے سے تو دے لیکے ہٹایا جاتا

راحت کا جہاں میں یونہیں اک نام ہے گویا
راحت کی تلاش اک طمع خام ہے گویا

کچھ کرتے ہیں جو یاں وہی انگشت نما ہیں
بدنام ہی دنیا میں نکو نام ہے گویا

ناچیز ہیں وہ کام نہیں جن پہ کچھ الزام
جو کام ہیں اُن کا یہی انعام ہے گویا

ہے وقتِ رحیل اور وہی عشرت کے ہیں سامان
آخر ہوئی رات اور ابھی یاں شام ہے گویا

اُٹھتا تھا کچھ اوّل ہی سے یہ درد بُری طرح
آغاز ہی اُلفت کا بس انجام ہے گویا

ادبار بھی دیکھو گے جہاں پاؤ گے اسلام
اسلام کا ادبار بھی اک نام ہے گویا

جب دیکھئے حالی کو پڑا پایئے بیکار
کرنا اُسے باقی یہی اک کام ہے گویا

خلوت میں تری صوفی گر نورِ صفا ہوتا
تو سب میں ملا رہتا اور سب سے جُدا ہوتا ق

تھا آفتِ جاں اِس کا اندازِ کمانداری
ہم بچ کے کہاں جاتے گر تیر خطا ہوتا

کچھ اپنی حقیقت کی گر تجھکو خبر ہوتی
میری طرح تو بھی غیروں سے خفا ہوتا

یہ لطف بناوٹ میں دیکھا نہ سُنا قاصد
اَن پڑھ تو ہے تو یہ کچھ پڑھتا تو بلا ہوتا

باتوں میں شکایت کی بو آتی ہے اُلفت کی
گر دل میں جگہ ہوتی لب پر بھی گلا ہوتا

ہم روزِ وداع اُس سے ہنس ہنس کے ہوئے رخصت
رونا تھا بہت ہم کو روتے بھی تو کیا ہوتا

گر صاحبِ دل ہوتے سُن کر مری بیتابی
تم کو بھی قلق ہوتا اور مجھ سے سوا ہوتا

جو دل پہ گذرتی ہے کیا تجھکو خبر ناصح
کچھ ہم سے سُنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

جو جان سے درگذرے وہ چاہے سو کر گذرے
گر آج نہ تم آتے کیا جانیے کیا ہوتا

کل حالی دیوانہ کہتا تھا کچھ افسانہ
سنتے ہی کے قابل تھا تم نے بھی سنا ہوتا

ق پیش از ظہور عشق کسی کا نشان نہ تھا — تھا حسن میزبان کوئی مہمان نہ تھا
ہم کو بہار میں بھی سر گلستان نہ تھا — یعنی خزاں سے پہلے ہی دل شادمان نہ تھا
ملتے ہی اُن کے بھول گئیں کلفتیں تمام — گویا ہمارے سر پہ کبھی آسمان نہ تھا
کیا جانتے تھے جائیگا جی اک نگاہ میں — تھی دل کی احتیاط مگر بیم جان نہ تھا
سچ ہے کہ پاس خاطر نازک عذاب ہے — تھا دل کو جب فراغ کہ وہ مہربان نہ تھا
کچھ میری بیخودی سے تمہارا زیاں نہیں — تم جانتے کہ بزم میں اک خستہ جان نہ تھا
رات اُن کو بات بات پہ سو سو دیئے جواب — مجھکو خود اپنی ذات سے ایسا گمان نہ تھا
معلوم ہے یہ کہ آپ بھی ہنستے تھے دشمناں — طعن رقیب دل پہ کچھ ایسا گران نہ تھا
تھا کچھ نہ کچھ کہ پھانس سی اک دل میں چبھ گئی — مانا کہ اُس کے ہاتھ میں تیر و سنان نہ تھا

بزم سخن میں جی نہ لگا اپنا زینہار
شب انجمن میں حالی جادو بیان نہ تھا

ن رنج اور رنج بھی تنہائی کا — وقت پہنچا مری رسوائی کا
عمر شاید نہ کرے آج وفا — کاٹنا ہے شب تنہائی کا
تم نے کیوں وصل میں پہلو بدلا — کس کو دعویٰ ہے شکیبائی کا
ایک دن راہ پہ جا پہنچے ہم — شوق تھا بادیہ پیمائی کا

اُس سے ناداں ہی بن کر ملیے   کچھ اجارا نہیں دانائی کا
سات پردوں میں نہیں ٹھہرتی آنکھ   حوصلہ کیا ہے تماشائی کا
درمیاں پائے نظر ہے جب تک   ہم کو دعویٰ نہیں بینائی کا
کچھ تو ہے قدر تماشائی کی   ہے جو یہ شوق خود آرائی کا
اُس کو چھوڑا تو ہے لیکن اے دل   مجھ کو ڈر ہے تری خود رائی کا
بزمِ دشمن میں نہ جی سے اُترا   پوچھنا کیا تری زیبائی کا
یہی انجام تھا اے فصلِ خزاں!   گل و بلبل کی شناسائی کا
مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں   ہو چکا کام توانائی کا
محتسب عذر بہت ہیں لیکن   اذن ہم کو نہیں گویائی کا

ہوں گے حالی سے بہت آوارہ
گھر ابھی دور ہے رسوائی کا

ق

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا   رو رو کے ہم کو اور رلانا ضرور تھا
تھی ہر نظر نہ محرمِ دیدار ورنہ یاں   ہر خار نخلِ ایمن و ہر سنگ طور تھا
درد آکے لب پہ رازِ دل آیا نہ تھا ہنوز   چرچا ہمارے عشق کا نزدیک و دور تھا
جانی نہ قدرِ رحمتِ حق پارسا نے کچھ   ٹھہرا قصوروار اگر بے قصور تھا
دُردی کشانِ جرمِ مغاں کا نہ پوچھ حال   ایک ایک رند نشۂ وحدت میں چور تھا
اب باریابِ انجمنِ عام بھی نہیں   وہ دل کہ خاص محرمِ بزمِ حضور تھا

روزِ وداع بھی شبِ ہجراں سے کم نہ تھا   کچھ صبح ہی سے شامِ بلا کا ظہور تھا
بیمار کی تو آپ نے لی تم نے کچھ خبر   بہرِ نماز نعش پہ آنا ضرور تھا

حالی کو ہجر میں بھی جو دیکھا تو شادمان
تھا حوصلہ اُسی کا کہ اتنا صبور تھا

ق   دل سے خیالِ دوست بھلایا نہ جائیگا   سینے میں داغ ہے کہ مٹایا نہ جائے گا
تم کو ہزار شرم سہی مجکو لاکھ ضبط   اُلفت وہ راز ہے کہ چھپایا نہ جائے گا
اے دل رضائے غیر ہے شرطِ رضائے دوست   زنہار بارِ عشق اُٹھایا نہ جائے گا
دیکھی ہیں ایسی اُن کی بہت مہربانیاں   اب ہم سے مُنھ میں موت کے جایا نہ جائے گا
مے تند و ظرف حوصلۂ اہلِ بزم تنگ   ساقی سے جام بھر کے پلایا نہ جائے گا
راضی ہیں ہم کہ دوست سے ہو دشمنی مگر   دشمن کو ہم سے دوست بنایا نہ جائے گا
کیوں چھیڑتے ہو ذکر نہ ملنے کا رات کے   پوچھیں گے ہم سبب تو بتایا نہ جائے گا
بگڑیں نہ بات بات پہ کیوں جانتے ہیں وہ   ہم وہ نہیں کہ ہم کو منایا نہ جائے گا
ملنا ہے آپ سے تو نہیں حصر غیر پہ   کس کس سے اختلاط بڑھایا نہ جائے گا
مقصود اپنا کچھ نہ کھلا لیکن اس قدر   یعنی وہ ڈھونڈھتے ہیں جو پایا نہ جائے گا

جھگڑوں میں اہلِ دیں کے نہ حالی پڑیں بس آپ
قصہ حضور سے یہ چکایا نہ جائے گا

ق   قلق اور دل میں سوا ہو گیا   دلاسا تمہارا بلا ہو گیا

دکھانا پڑے گا مجھے زخمِ دل — اگر تیر اِس کا خطا ہو گیا
سبب ہو نہ ہو لب پہ آنا ضرور — مرا شکر اُس کا گلہ ہو گیا
وہ اُمید کیا جس کی ہو انتہا — وہ وعدہ نہیں جو وفا ہو گیا
ہوا رُکتے رُکتے دمِ آخر فنا — مرض بڑھتے بڑھتے دوا ہو گیا
نہیں بھولتا اُسکی رُخصت کا وقت — وہ رو رو کے مِلنا بلا ہو گیا
سماں کل کا رہ رہ کے آتا ہے یاد — ابھی کیا تھا اور کیا سے کیا ہو گیا
سمجھتے تھے جس غم کو ہم جانگزا — وہ غم رفتہ رفتہ غذا ہو گیا
نہ دے میری اُمید مجکو جواب — رہے وہ خفا گر خفا ہو گیا

ٹپکتا ہے اشعارِ حالی سے حال
کہیں سادہ دل مبتلا ہو گیا

سنگِ گراں ہے راہ میں تمکینِ یار کا — اب دیکھنا ہے زورِ دلِ بے قرار کا
اِک خو سی ہو گئی ہے تحمّل کی ورنہ اب — وہ حوصلہ رہا نہیں صبر و قرار کا
آؤ مِٹا بھی دو خلشِ آرزوے قتل — کیا اعتبار زندگیِ مستعار کا
ہم خوش کبھی ہوئے ہوں تو غم ناگوار ہو — مِلتا نہیں محل گلۂ روزگار کا
سمجھو مجھے اگر تمہیں ہے آدمی کی قدر — میرا اِک التفات نہ مرنا ہزار کا
گر صبح تک وفا نہ ہوا وعدۂ وصال — سُن لیں گے وہ مآل شبِ انتظار کا
اب محوِ بوے گل پہ ہوا کب دلِ حزیں — ہم کو چمن سے یاد ہے جانا بہار کا

ہر سمت گرد ناقۂ لیلیٰ بلند ہے — پہنچے جو حوصلہ ہو کسی شہسوار کا

غربت کے شغلوں نے وطن کو بھلا دیا — خانہ خراب خاطر اُلفت شعار کا

حالی بس اب یقین ہے دلّی کے ہو رہنے

ہے ذرّہ ذرّہ مہر فزا اس دیار کا

ب

درد دل کو دوا سے کیا مطلب — کیمیا کو طلا سے کیا مطلب

چشمۂ زندگی ہے ذکر جمیل — خضر و آب بقا سے کیا مطلب

بادشاہی ہے نفس کی تسخیر — ظلّ بالِ ہما سے کیا مطلب

جو کرینگے بھرینگے خود۔ واعظ — تم کو میری خطا سے کیا مطلب

جن کے معبود حور و غلماں ہیں — ان کو زاہد خدا سے کیا مطلب

کام ہے مردمی سے اِنساں کی — قطعہ زہد یا اتقا سے کیا مطلب

ہے اگر رند۔ دامن آلودہ ۲ — ہم کو چون و چرا سے کیا مطلب

صوفی شہر با صفا ہے اگر ۳ — ہو۔ ہماری بلا سے کیا مطلب

نکہتِ مے پہ غش ہیں جو حالی

اُن کو درد و صفا سے کیا مطلب

مجھ میں وہ تاب ضبط شکایت کہاں ہے اب — چھیڑو نہ تم کہ میرے بھی منھ میں زبان ہے اب

وہ دن گئے کہ حوصلۂ ضبط راز تھا — چہرے سے اپنے شورش پنہاں عیاں ہے اب

جس دل کو قیدِ ہستیِ دنیا سے ننگ تھا — وہ دل اسیرِ حلقۂ زلفِ بتاں ہے اب

آنے لگا جب اُس کی تمنا میں کچھ مزا — کہتے ہیں لوگ جان کا اس میں زیاں ہے اب

لغزش نہ ہو۔ بلا ہے حسینوں کا التفات — اے دل سنبھل وہ دشمنِ دیں مہرباں ہے اب

اک جرعۂ شراب نے سب کچھ بھلا دیا — ہم ہیں اور آستانۂ پیرِ مغاں ہے اب

ہے وقتِ نزع اور وہ آیا نہیں ہنوز — ہاں جذبِ دل مدد کہ دمِ امتحاں ہے اب

ہے دل غمِ جہاں سے سبکدوش اندنوں — سر پڑتا سوجھتا کوئی بارِ گراں ہے اب

حالی تم اور ملازمتِ پیرِ مے فروش
وہ علم و دین کدھر ہے وہ تقویٰ کہاں ہے اب

پ

یہ ہیں واعظ۔ سب پہ منہ آتے ہیں آپ — ناصحِ قوم اس پہ کہلاتے ہیں آپ

بس بہت طعن و ملامت کر چکے — کیوں زباں رندوں کی کھلواتے ہیں آپ

ہے صراحی میں وہی لذت کہ جو — چڑھ کے ممبر پر مزا پاتے ہیں آپ

واعظی ہے اُن کو شرمانا گناہ — جو گنہ سے اپنے شرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں اِک اِک کی تکفیر آپ کیوں؟ — اس پہ بھی کچھ غور فرماتے ہیں آپ

کرتے ہیں آباد دوزخ کو حضور — خلد کو ویران کرواتے ہیں آپ

چھیڑ کر واعظ کو حالی خلد سے
بسترا کیوں اپنا پھکواتے ہیں آپ

ت

گو جوانی میں تھی کج رائی بہت — پر جوانی ہم کو یاد آئی بہت

زیرِ برقع تو نے کیا دکھلا دیا — جمع ہیں ہر سو تماشائی بہت

ہٹ پہ اس کی اور پس جاتے ہیں دل — راس ہے کچھ اُس کو خود رائی بہت

سرو یا گل آنکھ میں جچتے نہیں — دل پہ ہے نقش اسکی رعنائی بہت

چور تھا زخموں میں اور کہتا تھا جی — راحت اس تکلیف میں پائی بہت

آ رہی ہے چاہِ یوسفؑ سے صدا — دوست یاں تھوڑے ہیں اور بھائی بہت

وصل کے ہو ہو کے ساماں رہ گئے — مینھ نہ برسا اور گھٹا چھائی بہت

جاں نثاری پر وہ بول اُٹھے مری — ہیں فدائی کم تماشائی بہت

ہم نے ہر ادنےٰ کو اعلےٰ کر دیا — خاکساری اپنی کام آئی بہت

کر دیا چپ واقعاتِ دہر نے — تھی کبھی ہم میں بھی گویائی بہت

گھٹ گئیں خود تلخیاں ایام کی؛ — یا گئی کچھ بڑھ شکیبائی بہت

ہم نہ کہتے تھے کہ حالی چپ رہو
راست گوئی میں ہے رسوائی بہت

اُس کے جاتے ہی یہ کیا ہو گئی گھر کی صورت — نہ وہ دیوار کی صورت ہے نہ در کی صورت

کس سے پیمانِ وفا باندھ رہی ہے بلبل — کل نہ پہچان سکے گی گلِ تر کی صورت

ہے غمِ روزِ جدائی نہ نشاطِ شبِ وصل — ہو گئی اور ہی کچھ شام و سحر کی صورت

اپنی جیبوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار — اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت

دیکھئے شیخ مصور سے کھچے یا نہ کھچے — صورت ۔ اور آپ سے بے عیب بشر کی صورت

واعظو آتشِ دوزخ سے جہاں کو تم نے — یہ ڈرایا ہے کہ خود بن گئے ڈر کی صورت

کیا خبر زاہدِ قانع کو کہ کیا چیز ہے حرص — اس نے دیکھی ہی نہیں کیسۂ زر کی صورت

میں بچا تیرِ حوادث سے نشانہ بن کر — آڑے آئی مرے ۔ تسلیم سپر کی صورت

شوق میں اس کے مزا ۔ درد میں اس کے لذت — ناصحو اس سے نہیں کوئی مفر کی صورت

حملہ اپنے پہ بھی اک بعد ہزیمت ہے ضرور — رہ گئی ہے یہی اک فتح و ظفر کی صورت

رہنماؤں کے ہوئے جاتے ہیں اوسان خطا — راہ میں کچھ نظر آتی ہے خطر کی صورت

یوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار — پر ڈراتی ہے بہت آج بھنور کی صورت

ان کو حالی بھی بلاتے ہیں گھر اپنے مہمان
دیکھنا آپ کی اور آپ کے گھر کی صورت

بناتے ہیں وہ مہربانی کی صورت — یہ چھپتی نہیں سرگرانی کی صورت

جسے دیکھ کر دل ہو عاشق کا بیکل — وہ ہے اور ہی مہربانی کی صورت

شبِ وعدہ ہے بارِ عام ان کے دل پر — مرے حق میں اک پاسبانی کی صورت

غمِ دل نے رسوا کیا ہم کو آخر — بنائی بہت شادمانی کی صورت

ہے اس ریش پر وسمہ کیا خوب کھلتا — ذرا دیکھنا شیخ فانی کی صورت

یقیں ہے کہ ہم جس کو سمجھے ہیں مرنا — یہی ہو تو ہو زندگانی کی صورت

سمجھ کر کرو قتل حالیؔ کو دیکھو
مٹاؤ نہ عشق و جوانی کی صورت

ٹ

تو نہیں ہوتا تو رہتا ہے اُچاٹ — دل کو یہ کیسی لگا دی تو نے چاٹ
بج رہی ہے کان میں یاں سے تا — اور مغنی نے کئی بدلے ہیں ٹھاٹ
ناؤ ہے بوسیدہ اور موجیں ہیں سخت — اور دریا کا بہت چکلا ہے پاٹ
اک کہانی پیرزن کی رہ گئی — راج کسریٰ کا رہا باقی نہ پاٹ
دیر سے مسجد میں ہم آئے تو ہیں — ہے مگر یاں جی کچھ اے زاہد اچاٹ
جو کہے تجھ کو بتا دیں اے امیر — ہیں بہت سرکار کی محفل میں بھاٹ
ملتیں رستوں کے ہیں سب ہیر پھیر — سب جہازوں کا ہے لنگر ایک گھاٹ
برق منڈلاتی ہے اب کس چیز پر — ٹڈیاں کب کی گئیں کھیتی کو چاٹ
تجھ میں پرسش یہ اے حالیؔ نہیں — جس قدر تیری زبان کرتی ہے کاٹ
چٹکیاں ہی دل میں یہ لیتا ہے کون — شعر تو ظاہر میں ہیں تیرے سپاٹ

ش

باپ کا ہے جبھی پسر وارث — ہو ہنر کا بھی اُس کے گر وارث
گھر ہنرور کا ناخلف نے لیا — تیرا ہے کون اے ہنر وارث
فاتحہ ہو کہاں سے میت کی — لے گئے ڈھو کے سیم و زر وارث

ہوں اگر ذوق کسب سے آگاہ — کریں میراث سے حذر وارث
خاک و کرمانِ گور و خویش و تبار — ایک میت اور اس قدر وارث
واعظو دین کا خدا حافظ — انبیا کے ہو تم اگر وارث
قوم بے پر ہے دین بیکس ہے — گئے اسلام کے کدھر وارث
ہم پہ بیٹھے ہیں ہاتھ دھوئے حریف — جیسے مردہ کے مال پر وارث

ترکہ چھوڑا ہے کچھ اگر حالی
کیوں ہیں میت پہ نوحہ گر وارث

بھید واعظ اپنا کھلوایا عبث — دل جلوں کو تو نے گرمایا عبث
جلوہ صوفی نے نہ دکھلایا کوئی — رات بھر یاروں کو تپوایا عبث
شیخ رندوں میں بھی ہیں کچھ پاکباز — سب کو ملزم تو نے ٹھہرایا عبث
کوئی پنچھی آکے اب پھنستا نہیں — آپ نے جال اپنا پھیلایا عبث
آ نکلتے تھے کبھی مسجد میں ہم — تو نے زاہد ہم کو شرمایا عبث
کھیتیاں جلکر ہوئیں یاں رزقِ خاک — ابر ہے گھر کر ادھر آیا عبث

قوم کا حالی پنپنا ہے محال
تم نے رو رو سب کو رلوایا عبث

ج

بات کچھ ہم سے بن نہ آئی آج — بول کر ہم نے منھ کی کھائی آج

چپ پر اپنی بھرم تھے کیا کیا کچھ
بات بگڑی بنی بنائی آج

شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی
پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج

بزم ساقی نے دی الٹ ساری
خوب بھر بھر کے خم لنڈھائی آج

معصیت پہ ہے دیر سے یارب
قطعہ ۱ نفس اور شرع میں لڑائی آج

غالب آتا ہے نفس دوں یا شرع
۲ دیکھنی ہے تیری خدائی آج

چور ہے دل میں کچھ نہ کچھ یارو
نیند پھر رات بھر نہ آئی آج

کل یہاں کاروبار ہیں سب بند
کرلو کرنی ہے جو کمائی آج

زد سے الفت کی بچکے چلنا تھا
مفت حالی نے چوٹ کھائی آج

تلخی دوران کے ہیں سب شکوہ سنج
یہ بھی ہے یارو کوئی رنجوں میں رنج

رنج و شادی یاں کے ہیں سب بے ثبات
اور اگر سوچو تو شادی ہے نہ رنج

تھا قناعت میں نہاں گنج فراغ
پر ہمیں بیوقت ہاتھ آیا یہ رنج

ذکر و سن بڑھتے تھے شاید ساتھ ساتھ
ہیں وہ اب پنجاہ جو پہلے تھے پنج

ہم کو بھی آتا تھا ہنسنا بولنا
جب کبھی جیتے تھے ہم اے بذلہ سنج

آگئی مرگ طبیعی ہم کو یاد
شاخ سے دیکھا جو خود گرتا ترنج

راہ اب سیدھی ہے حالی سوئے دشت
ہو چکے طے سب خم و پیچ و شکنج

ہیچ

بزم مے اچھی ہے۔ گو دُنیا ہے اسے میخوار، ہیچ
یاں سمجھ لیتے تو ہیں دُنیا کو دم بھر یار، ہیچ

نفس سے سر بر ہوئی دانش نہ صبر و عقل و ہوش
ایک دشمن بر سرِ کیں ہو تو ہیں سب یار، ہیچ

شیخ! جو مخلص ہیں وہ رکھتے نہیں کچھ امتیاز
ہے یہ سب اونچی دکان اور رونقِ بازار، ہیچ

شاہدِ معنی کو آرائش کی کچھ حاجت نہیں
سبحہ و سجادہ، ہیچ اور جبہ و دستار، ہیچ

ہو گرجتے جس قدر اُتنے برستے تم نہیں
اے فصیحو ہے یہ سب گفتار بے کردار، ہیچ

روئے تو آٹھ آٹھ آنسو اور پسیجا دل نہ ایک
نکلے موتی تیرے سب اے چشمِ گوہر بار، ہیچ

خوانِ نعمت نے ترے اے عاملِ مردار خوار
کر دیئے آفاق کے سب خوان و خوان سالار، ہیچ

ہے ادب مسند پہ جو کچھ ہے رئیس شہر کا
ہٹ کے مسند سے جو خود دیکھیں تو ہیں سرکار، ہیچ

گو کہ حالی اگلے اُستادوں کے آگے ہیچ ہے
کاش ہوتے مُلک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ

ح

کاٹیے دن زندگی کے اُن یگانوں کی طرح
جو سدا رہتے ہیں چوکس پاسبانوں کی طرح
منزلِ دُنیا میں ہیں پا در رکاب آٹھوں پہر
رہتے ہیں مہماں سرا میں میہمانوں کی طرح
سعی سے اُکتاتے اور محنت سے کنیاتے نہیں
جھیلتے ہیں سختیوں کو سخت جانوں کی طرح
رسم و عادت پر ہیں کرتے عقل کو فرماں روا
نفس پر رکھتے ہیں کوڑا حکمرانوں کی طرح
شادمانی پر گذرتے اپنے آپے سے نہیں
غم میں رہتے ہیں شگفتہ شادمانوں کی طرح
رکھتے ہیں تمکین جوانی میں بڑھاپے سے سوا
رہتے ہیں چونچال پیری میں جوانوں کی طرح
پاتے ہیں اپنوں میں غیروں سے سوا بیگانگی
پر بھلا تکتے ہیں ایک اِک کا یگانوں کی طرح

آس کیفیت کے پہنچنے کی انہیں ہو یا نہ ہو
ہیں اُسے پانی دیئے جاتے کسانوں کی طرح

اُن کے غصے میں ہے دلسوزی ملامت میں ہے پیار
مہربانی کرتے ہیں نامہربانوں کی طرح

کام سے کام اپنے اُن کو۔ گو ہو عالم نکتہ چین
رہتے ہیں بتیس دانتوں میں زبانوں کی طرح

طعن سُن سُن احمقوں کے ہنستے ہیں دیوانہ وار
دن بسر کرتے ہیں دیوانوں میں سیانوں کی طرح

کیجے کیا حالی۔ نہ کیجے سادگی گر اختیار
بولنا آئے نہ جب رنگیں بیانوں کی طرح

خ

مئے مغاں کا ہے چسکا اگر بڑا اے شیخ — تو ایسی ہی کوئی چاٹ اور دے لگا اے شیخ
ریا کو صدق سے ہے جام سے بدل دیتا — تمہیں بھی ہے کوئی یاد ایسی کیمیا اے شیخ
وہ نکلے بھان متی جو بناتے تھے اکسیر — تماشے دیکھتے ہیں یہ ہم نے بارہا اے شیخ
غرورِ فقر و غرورِ غنا میں فرق ہے کیا — تجھی پہ رکھتے ہیں ہم منحصر بتا اے شیخ
زبان پہ ہوتی ہے مُہر اُن کی جو ہیں محرمِ راز — پھر ایسا کیجیو ہرگز نہ ادعا اے شیخ
خبر بھی ہے تمہیں! کیا بن رہی ہے بیڑے پہ — قطعہ — ہیں آپ جوں ہی بیڑے کے ناخدا اے شیخ

وہ ڈوبتوں سے الگ رہتے ہیں جو ہیں تیراک ۲ شناوری کا یہی گر ہے۔ مرحبا اے شیخ
گو زن و گور ہیں بچپن سے تارک دُنیا — نہایت آپ کی ہے اُنکی ابتدا اے شیخ
کمالِ حُسنِ عقیدت سے آیا تھا حالی — پہ خانقاہ سے افسردہ دل گیا اے شیخ

د

شادی کے بعد غم ہے فقیری غنا کے بعد — اب خوف کے سوا ہے دھرا کیا رجا کے بعد
ہے سامنا بلا کا پس از عافیت ضرور — ہوتی ہے عافیت کی توقع بلا کے بعد
تعزیرِ جرمِ عشق ہے بے صرفہ محتسب — بڑھتا ہے اَور ذوقِ گنہ یاں سزا کے بعد
گر دردِ دل سے پائی بھی اے چارہ گر شفا — آتی ہے دل کی موت نظر اس شفا کے بعد
یادِ خدا میں جب نہ گئی دل سے اسکی یاد — آگے خدا کا نام ہے ناصح خدا کے بعد
کرتے رہے خطائیں ندامت کے بعد ہم — ہوتی رہی ہمیشہ ندامت خطا کے بعد
آخر کو ماننا پڑا اے نفس خیرہ سر — تیرا بھی حکم کم نہیں حکم قضا کے بعد
مُدت سے تھی دُعا کہ ہوں بدنام شہر شہر — بارے ہوئی قبول بہت التجا کے بعد

حالی کی سُن لو اَور صدائیں جگر خراش
دلکش صدا سنو گے نہ پھر اس صدا کے بعد

کہیں خوف اَور کہیں غالب ہے رجا اے زاہد — تیرا قبلہ ہے جدا میرا جُدا اے زاہد
در گذر گر نہیں کرتا وہ گنہگاروں سے — تو ترا اَور کوئی ہوگا خدا اے زاہد
ہم دکھا دینگے کہ زہد اَور ہے نیکی کچھ اَور — کچھ بہت دور نہیں روزِ جزا اے زاہد

قرب حق کے لئے کچھ سوز نہاں بھی ہے ضرور — خشک نفلوں میں دھرا کیا ہے بھلا اے زاہد
میں تو سو بار ملوں دل نہیں ملتا تم سے — تو ہی کہہ اس میں ہے کیا میری خطا اے زاہد
جال جب تک ہے یہ پھیلا ہوا دینداری کا — فکر دُنیا کا کرے تیری بلا اے زاہد

عیب حالی کے بہت آج کئے تو نے بیان
ذکر کچھ اور کر اب اس کے سوا اے زاہد

ذ

پیاس تیری بوئے ساغر سے لذیذ — بلکہ جام آبِ کوثر سے لذیذ
جس کا تو قاتل ہو پھر اُسکے لئے — کونسی نعمت ہے خنجر سے لذیذ
لطف ہو تیری طرف سے یا عتاب — ہم کو ہے سب شہد و شکر سے لذیذ
قند سے شیریں تری پہلی نگاہ — دوسری قندِ مکرر سے لذیذ
چکھا تجھ میں جس بھوک کی لطف نہ تو — بھوک ہے وہ شیرِ مادر سے لذیذ
ہے یہ تجھ میں کس کی بو اے صبا — بوئے بید و مشک و عنبر سے لذیذ

جو قناعت کے ہیں حالی میہمان
اُن کو نلقے ہیں مزعفر سے لذیذ

ر

ہے یہ تکیہ تری عطاؤں پہ — وہی اصرار ہے خطاؤں پر
رہیں نا آشنا زمانہ سے — حق ہے تیرا یہ آشناؤں پر

رہرو و باخبر رہو کہ گماں — رہزنی کا ہے رہنماؤں پر
ہے وہ دیر آشنا تو عیب ہے کیا — مرتے ہیں اُنہیں اداؤں پر
اس کے کوچہ میں ہیں وہ بے پر و بال — اُڑتے پھرتے تھے جو ہواؤں پر
شہسواروں پہ بند ہے جو راہ — وقف ہے یا برہنہ پاؤں پر
نہیں منعم کو اس کی بوند نصیب — مینہ برستا ہے جو گداؤں پر
نہیں محدود بخششیں تیری — زاہدوں پر نہ پارساؤں پر

حق سے درخواست عفو کی حالی
کیجے کس منہ سے اِن خطاؤں پر

کرتے ہیں سو طرح سے جلوہ گر — ایک ہوتا ہے اگر ہم میں ہنر
جانتے ہیں آپ کو پرہیزگار — عیب کوئی کر نہیں سکتے اگر
دوست اُس کے ہیں نہ اُس کے آشنا — گو بظاہر سب سے ہیں شیر و شکر
خصلتیں روباہ کی رکھتے ہیں ہم — گو دکھاتے آپ کو ہیں شیرِ نر
اپنی نیکی کا دلاتے ہیں یقین — کرتے ہیں نفرت بدی سے جس قدر
کرنی پڑتی ہے کسی کی مدح جب — کرتے ہیں تقریر اکثر مختصر
گر کسی کا عیب سن پاتے ہیں ہم — کرتے ہیں رسوا اِسے دل کھول کر
کی نہیں جس سے کبھی کوئی بدی — شکر کے ہیں اُس سے خواہاں عمر بھر
ایک بخشش میں بھلا دیتے ہیں سب — ہوں کسی کے ہم پہ لاکھ احساں اگر

عیب کچھ گنتے نہیں اُس عیب کو — جس سے ہوں اپنے سوا سب بیخبر
خیر کا ہوتا ہے ظن غالب جہاں — کھینچکر لاتے ہیں اُس کو سوے شر
بنتے ہیں یاروں کے ناصح تاکہ ہو — عیب اُن کا ظاہر اور اپنا ہُنر
دوست اِک عالم کے پر مطلب کے دوست — ایسے یاروں سے حذر یارو حذر

عیب حالیؔ اپنے یوں کہتا ہے کیوں
خواہش تحسین ہے حضرت کو مگر

ہوگی نہ قدرِ جاں کی قرباں کئے بغیر — دام اُٹھیں گے نہ جنس کے ارزاں کئے بغیر
گو ہو شفا سے یاس۔ پہ جبتک کہ دم میں دم — بن آئے گی نہ درد کا درماں کئے بغیر
بگڑی ہوئی بہت ہے کچھ اس باغ کی ہوا — یہ باغ کو رہے گی نہ ویراں کئے بغیر
آمادہ دہر۔ پردہ دری پر ہے قوم کی — مبروص کو رہے گا نہ عریاں کئے بغیر
عزت سے اپنی یاروں کو کچھ آپڑی ہے ضد — چھوڑینگے نیم جان کو بیجاں کئے بغیر
مشکل بہت ہے گو کہ مٹانا سلف کا نام — مشکل کو ہم ٹلیں گے نہ آساں کئے بغیر
گو مے ہے تند و تلخ۔ پہ ساقی ہے دلربا — اے شیخ بن پڑے گی نہ کچھ ہاں کئے بغیر
تکفیر جو کہ کرتے ہیں ابنائے وقت کی — چھوڑے گا وقت انہیں نہ مسلماں کئے بغیر

حالیؔ کٹے گا کاٹنے ہی سے یہ بیستوں
حل ہوں گی مشکلیں نہ یہ آساں کئے بغیر

ڑ

گھر ہے وحشت خیز اور بستی اُجاڑ — ہو گئی اِک اِک گھڑی تجھ بن پہاڑ
آج تک قصرِ امل ہے ناتمام — بندھ چکی ہے بارہا کھُل کھُل کے پاڑ
ہے پہونچنا اپنا چوٹی تک محال — اے طلب نِکلا بہت اونچا پہاڑ
کھیلنا آتا ہے ہم کو بھی شکار — پر نہیں زاہد کوئی ٹٹّی کی آڑ
دِل نہیں روشن تو ہیں کس کام کے — سو شبستاں میں اگر روشن ہیں جھاڑ
عید اور نوروز ہے سب دِل کے ساتھ — دِل نہیں حاضر تو دُنیا ہے اجاڑ
کھیت ستے پر ہے اور رہرو سوار — کشت ہے سرسبز اور نیچی ہے باڑ
بات واعظ کی کوئی پکڑی گئی — اِن دنوں کمتر ہے کچھ ہم پر لتاڑ

تم نے حالیؔ کھول کر ناحق زبان
کر لیا ساری خدائی سے بگاڑ

ز

عہدِ وصال دِل نے بھُلایا نہیں ہنوز — عالم مری نظر میں سمایا نہیں ہنوز
پیغام دوست کا کوئی لایا نہیں ہنوز — جھونکا نسیم مصر کا آیا نہیں ہنوز
تھک جائے دِل نہ منزلِ مقصود میں کہیں — ہم جس کو ڈھونڈھتے ہیں وہ پایا نہیں ہنوز
آیا نہ ہوگا اِس کو تغافل میں کچھ مزا — ذوقِ نگاہ ہم نے جتایا نہیں ہنوز
ایمن میں آگ لگ چکی اور طور جل چکا — اُس نے نقاب رُخ سے اُٹھایا نہیں ہنوز

یاں وے چکی جواب امید۔ جوابِ خط　　واں نامہ بر نے بار بھی پایا نہیں ہنوز
پایا ہے ذوق و شوق میں ہم کو بھرا ہوا　　کافر نے اختلاط بڑھایا نہیں ہنوز
کیا دل سے بعدِ مرگ بھی جاتی نہ تیری یاد　　بھولے ہیں کہ تجھکو بھلایا نہیں ہنوز
سرمایۂ خلافِ دو عالم ہے رازِ دل　　باتوں میں ہم نے زہر ملایا نہیں ہنوز

کس نشہ میں ہے چور خدا جانے اس قدر
حالی نے جام منھ سے لگایا نہیں ہنوز

جیتے جی موت کے تم منھ میں نہ جانا ہرگز　　دوستو دل نہ لگانا نہ لگانا ہرگز
عشق بھی تاک میں بیٹھا ہے نظر بازوں کی　　دیکھنا شیر سے آنکھیں نہ لڑانا ہرگز
زال کی پہلی ہی رستم کو نصیحت یہ تھی　　زد میں تیرِ صفِ مژگاں کی نہ جانا ہرگز
چاہت اِک طلعتِ مکروہ ہے برقع میں نہاں　　کسی دلالہ کے دھوکے میں نہ آنا ہرگز
ہاتھ ملنے نہ ہوں پیری میں اگر حسرت سے　　تو جوانی میں نہ یہ روگ لگانا ہرگز
جتنے رستے تھے ترے ہو گئے ویران اے عشق　　آ کے ویرانوں میں اب گھر نہ بسانا ہرگز
کوچ سب کر گئے دِلّی سے ترے قدرشناس　　قدریاں رہ کے اب اپنی نہ گھٹانا ہرگز
تذکرہ دہلیِ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ　　نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانا ہرگز
داستانِ گل کی خزاں میں نہ سنا اے بلبل　　ہنستے ہنستے ہمیں ظالم نہ رلانا ہرگز
ڈھونڈتا ہے دلِ شوریدہ بہانے مطرب　　دردانگیز غزل کوئی نہ گانا ہرگز
صحبتیں اگلی مصور ہمیں یاد آئیں گی　　کوئی دلچسپ مرقع نہ دکھانا ہرگز

موجزن دل میں ہیں یا خون کے دریائے چشم — دیکھنا اُبر سے آنکھیں نہ چرانا ہرگز
لے کے داغ آئیگا سینے پہ بہت اے سیاح — دیکھ اُس شہر کے کھنڈروں میں نہ جانا ہرگز
چپے چپے پہ ہیں یاں گوہر یکتا تہِ خاک — دفن ہوگا کہیں اتنا نہ خزانا ہرگز
مٹ گئے تیرے مٹانے کے نشاں بھی اب تو — اے فلک اِس سے زیادہ نہ مٹانا ہرگز
وہ تو بھولے تھے ہمیں ہم بھی انہیں بھول گئے — ایسا بدلا ہے نہ بدلے گا زمانا ہرگز
جس کو زخموں سے حوادث کے اچھوتا سمجھیں — نظر آتا نہیں ایک ایسا گھرانا ہرگز
ہم کو گر تو نے رُلایا تو رُلایا اے چرخ — ہم پہ غیروں کو تو ظالم نہ ہنسانا ہرگز
یار خود روئیں گے کیا اپنے جہاں روتا ہے — اُن کی ہنستی ہوئی شکلوں پہ نہ جانا ہرگز
آخری دور میں بھی تجھ کو قسم ہے ساقی — بھر کے اِک جام نہ پیاسوں کو پلانا ہرگز
بخت سوئے ہیں بہت جاگ کے اے دورِ زمان — نہ ابھی نیند کے ماتوں کو جگانا ہرگز
یاں سے رخصت ہو سویرے کہیں اے عیش و نشاط — نہیں اِس دور میں یاں تیرا ٹھکانا ہرگز
کبھی اے علم و ہُنر گھر تھا تمہارا دِلّی — ہم کو بھولے ہو تو گھر بھول نہ جانا ہرگز
شاعری مر چکی اب زندہ نہ ہو گی یارو — یاد کر کر کے اُسے جی نہ کڑھانا ہرگز
غالبؔ و شیفتہؔ و نیرؔ و آزردہؔ و ذوقؔ — اب دکھائے گا یہ شکلیں نہ زمانا ہرگز
مومنؔ و علویؔ و صہبائیؔ و ممنونؔ کے بعد — شعر کا نام نہ لے گا کوئی دانا ہرگز
کر دیا مر کے یگانوں نے یگانہ ہم کو — ورنہ یاں کوئی نہ تھا ہم میں یگانا ہرگز
داغؔ و مجروحؔ کو سُن لو کہ پھر اِس گلشن میں — نہ سُنے گا کوئی بُلبل کا ترانہ ہرگز

رات آخر ہوئی اور بزم ہوئی زیر و زبر   اب نہ دیکھو گے کبھی لطف شبانہ ہرگز

بزمِ ماتم تو نہیں۔ بزمِ سخن ہے حالیؔ
یاں مناسب نہیں رو رو کے رُلانا ہرگز

رنجش و التفات و ناز و نیاز   ہم نے دیکھے بہت نشیب و فراز
عشق کی آنچ اُس میں پاتا ہوں   دل ذرا دیکھتا ہوں جس کا گداز
شیخ! اللہ رے تیری عیاری   کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز
اِک پتے کی جو ہم نے کہدی آج   رنگ واعظ کا کر گیا پرواز
ہم کو نسبت پہ فخر ہے تیری   تو گئی بھول ہم کو خاک حجاز
آج منکر بھی ناچ اُٹھیں گے   گرمغنی کی ہے یہی آواز

قطعہ
خیر ہے اے فلک کہ چار طرف   ١ چل رہی ہیں ہوائیں کچھ ناساز
رنگ بدلا ہوا ہے عالم کا   ٢ ہیں دگرگوں زمانہ کے انداز
ہوتے جاتے ہیں زور مند ضعیف   ٣ بنتے جاتے ہیں مبتذل ممتاز
چھپتے پھرتے ہیں کبک و تیہو   ٤ گھونسلوں میں عقاب اور شہباز
ہے نہتوں کو رہگذر میں خطر   ٥ رہزنوں نے کئے ہیں ہاتھ دراز
ٹڈیوں کا ہے کھیتیوں پہ ہجوم   ٦ بھیڑیوں کے ہیں خوں میں تر لبِ آز

ملہ یہ قطعہ اس وقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ ٹرکی کو سلطان عبدالعزیز خان کے قتل کے بعد سرویہ۔ مانٹینگرو اور روس وغیرہ کے مقابلہ میں اخیر صدمہ پہنچا ۱۲

ناتوانوں پہ گدھ ہیں منڈلاتے ۷ گھائلوں پر ہیں تیز تیر انداز
تشنۂ خون ہیں بھوکے شیروں کے ۸ حیلہ گر روبہوں کے عشوۂ ناز
دشمنوں کے ہیں دوست خود جاسوس ۹ اور یاروں کے یار ہیں غماز
ہوگا انجام دیکھئے کیا کچھ ۱۰ ہے پر آشوب جبکہ یہ آغاز
لے ابھی تک کھلی نہیں لیکن ۱۱ غیب سے آرہی ہے کچھ آواز
وقت نازک ہے اپنے بیڑے پر ۱۲ موج حائل ہے اور ہوا ناساز
یا تھپیڑے ہوا کے لے ابھرے ۱۳ یا گیا کشمکش میں ڈوب جہاز
کام اسے اپنے سونپ دو حالی نہیں جس کا شریک اور انباز
ہے وہ مالک ڈبوئے خواہ ترائے ۱۵ چارہ یاں کیا ہے غیر عجز و نیاز

س

جاذب رحمت ہے مقناطیس عصیاں اپنے پاس
رکھتے ہیں عاصی کمند صید غفران اپنے پاس
ناجز دن سے مقتدر کرتے ہیں اکثر در گذر
عجز اپنا ہے کلید باب رضوان اپنے پاس
ہوگئی گر کچھ سمجھنے میں خطا فرمان کے
عذر خواہ اپنا ہے خود فرمان سلطان اپنے پاس
بام بتلایا بلند اور نارسا بخشی کمند

رکھتے ہیں ہم اپنی معذوری پہ برہان اپنے پاس

خاک میں ہم نے ملا رکھی ہے اکسیر اپنی آپ
ورنہ ہے ہر درد کا موجود درمان اپنے پاس

دستِ بُردِ اہرمن کا جس کو کچھ کھٹکا نہیں
ہے بحمد اللہ وہ مہرِ سلیمان اپنے پاس

دیکھنا حالی نہ دینا وضعِ فطرت کو بدل
ہے یہ دستاویزِ استخلافِ رحمان اپنے پاس

چھیڑ اب نہ اے تصورِ مژگانِ یار بس — کافی ہے خار خارِ غمِ روزگار بس
یہ غم نہیں ہے وہ جسے کوئی بٹا سکے — غمخواری اپنی رہنے دے اے غمگسار بس
ہر داغ فصلِ گل کی نشانی ہے اے صبا — گلگشت کو بہت ہے دلِ داغدار بس
ڈر ہے دلوں کے ساتھ امیدیں بھی پس نہ جائیں — اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس
دیں غیر دشمنی کا ہماری خیال چھوڑ — یاں دشمنی کے واسطے کافی ہیں یار بس
آتا نہیں نظر کہ یہ ہو رات اب سحر — کی نیند کیوں حرام بس اے انتظار بس

تھوڑی ہے رات اور کہانی بہت بڑی
حالی نکل سکیں گے نہ دل کے بخار بس

ش

اِک ہم کو مہم برسرِ ایام ہے درپیش — بنتا نظر آتا نہیں جو کام ہے درپیش

غفلت ہے کہ گھیرے ہوئے ہے چار طرف سے　　اور معرکۂ گردشِ ایام ہے درپیش
وہ دن گئے جب تھا مرضِ صعب کا آغاز　　اب اُس مرضِ صعب کا انجام ہے درپیش
گو صبح بھی تھی روزِ مصیبت کی قیامت　　پر صبح تو جوں توں کٹی اب شام ہے درپیش
وہ وقت گیا۔ نشہ تھا زوروں پہ جب اپنا　　اب وقتِ خمارِ مے گلفام ہے درپیش
اُمیدِ شفا کا تو جواب آ ہی چکا ہے　　اب موت کا سُننا ہمیں پیغام ہے درپیش

جی اُس کا کسی کام میں لگتا نہیں زنہار
ظاہر ہے کہ حالی کو کوئی کام ہے درپیش

ص

ہر بشر سے ایک مختص ہیں عطائیں خاص خاص　　ہر مرض کو راس ہیں جیسے دوائیں خاص خاص
دل تو اپنا بھر چکا ہے زالِ دُنیا سے مگر　　ہیں نظر میں ابھی اُسکی ادائیں خاص خاص
گو زمانہ نے بھلا دی دل سے اپنے فصلِ گل　　یاد ہیں لیکن وہ بلبل کی صدائیں خاص خاص
زہد و تقویٰ سے نہیں ہوتیں دعائیں مستجاب　　وقت ہیں کچھ خاص خاص اور ہیں ادائیں خاص خاص

یوں تو ہے اُمید سب کچھ۔ پر نہ ہوں شاید معاف
وہ جو کی ہیں ہم نے اے حالی خطائیں خاص خاص

درد اور درد کی ہو سب کی دوا ایک ہی شخص　　یاں ہے جلاد و مسیحا بخدا ایک ہی شخص
حور و غلماں کیلئے لائیں دل آخر کس کا　　ہم کو دیتا نہیں یاں عہدہ برا ایک ہی شخص
قافلے گھٹیں وہاں کیونکہ سلامت واعظ　　ہو جہاں راہزن اور راہنما ایک ہی شخص

قیس سا پھر کوئی اُٹھا نہ بنی عامر میں　　فخر ہوتا ہے گھرانے کا سدا ایک ہی شخص
جمگھٹے دیکھے ہیں جن لوگوں کے ان آنکھوں نے　　آج ویسا کوئی دے ہم کو دکھا ایک ہی شخص
گھر میں برکت ہے گر فیض ہے جاری شب و روز　　کچھ نہیں شیخ ۔ مگر ہے ۔ بخدا ایک ہی شخص

اعتراضوں کا زمانہ کے ہے حالیؔ یہ نچوڑ
شاعر اب ساری خدائی میں ہے کیا ایک ہی شخص؟

ض

عشق کو ترکِ جنوں سے کیا غرض　　چرخِ گرداں کو سکوں سے کیا غرض
دل میں ہے اے خضر گر صدقِ طلب　　راہرو کو رہنموں سے کیا غرض
حاجیو ہے ہم کو گھر والے سے کام　　گھر کے محراب و ستوں سے کیا غرض
گنگنا کر آپ رو پڑتے ہیں جو　　اُن کو چنگ و ارغنوں سے کیا غرض
نیک کہنا نیک جس کو دیکھنا　　ہم کو تفتیشِ دروں سے کیا غرض
دوست ہیں جب زخمِ دل سے بیخبر　　اُن کو اپنے اشکِ خوں سے کیا غرض
عشق سے ہے مجتنب زاہد عبث　　شیر کو صیدِ زبوں سے کیا غرض
کر چکا جب شیخ تسخیرِ قلوب　　اب اُسے دنیائے دوں سے کیا غرض

آئے ہو حالیؔ پئے تسلیم یاں
آپ کو چون و چگوں سے کیا غرض

دوست کا ناروا نہیں اعراض　　دوستوں ہی کا کام ہے اغماض

چاہیئے ایک سب کا ہو مقصود گو ہوں سب کی جُدا جُدا اغراض
یاد میں تیری سب کو بھول گئے کھو دیئے ایک دُکھ نے سب امراض
دیکھیئے تو بھی خوش ہے یا ناخوش اور تو ہم سے سب ہیں کچھ ناراض
لا اُبالی بان یّبینا تبیینی کُلّ ما بی و اَنت عنّی راضٍ
منعمو بذل خیر میں ہے دیر اپنا مطلب اور اس پہ سو اغماض
حق میں اپنوں کے سخت ممسک ہیں جو کہ اوروں کے حق میں ہیں فیاض
رائے ہے کچھ علیل سی تیری نبض اپنی بھی دیکھ اے نباض
وعظ میں گُل کترتے ہیں واعظ مُنہ میں ان کے زبان ہے یا مقراض
ہے فقیہوں میں اور ہم میں نزاع ھل لنا فی نزاعنا من قاضٍ
ہے ریاضت پہ ناز کیا زاہد عار کش تجھ سے ہے سوا مرتاض
شیخ کی تھی یہ آخری تلقین چاہیئے زر تو اس سے کر اعراض

ایسی غزلیں سُنی نہ تھیں حالی
یہ نکالی کہاں سے تم نے بیاض

ط

رات گذری ہو چکا دورِ نشاط طے ہوئی بس اب کوئی دم میں بساط
دِل سے خوشیاں ہو گئیں اب گوشہ گیر نام تھا شاید جوانی کا نشاط
دِن اب اے دل منقبض رہنے کے ہیں ہو چکا ہونا تھا جو کچھ انبساط

غنچہ چٹکا اور آ پہونچی خزاں فصلِ گُل کی تھی فقط اتنی بساط
زینۂ منبر ہے لغزش کی جگہ جانیو واعظ اسے راہِ صراط
تو بھی کھانے میں نہیں محتاط شیخ ہم کریں پینے میں کیوں پھر احتیاط

کوچ کی حالی کرو تیاریاں
ہے قویٰ میں دمبدم اب انحطاط

ظ

چھپے ہیں حریفوں میں احرار واعظ بُرا کہہ نہ رندوں کو زنہار واعظ
سدا قہر ہی قہر ہے عاصیوں پر نہ ستّار ہے تو نہ غفّار واعظ
نکل آئے گی میکشی کی بھی حلّت کوئی مل گیا گر ہمیں یار واعظ
کوئی بات دیکھی نہیں تجھ میں لیکن سُنا ہے کہ ہوتے ہیں عیّار واعظ
ہمیں اور بھی تجھ سے کرتے ہیں بدظن یہ جبہ یہ ریش اور یہ دستار واعظ
نہ چھوڑیگا زیور گھروں میں نہ زر تو یہی ہے اگر حسنِ گفتار واعظ

مسلماں نہ ہم کاش حالی کو کہتے
ہوئے بات کہہ کر گنہگار واعظ

ع

اے بہارِ زندگانی الوداع اے شباب اے شادمانی الوداع
اے بیاضِ صبحِ پیری السّلام اے شبِ قدرِ جوانی الوداع

السّلام اے قاصدِ ملکِ بقا　　الوداع اے عمرِ فانی الوداع
روزگارِ ضعف و سُستی الصلا　　وقتِ سعی و جانفشانی الوداع
فرصتِ عشق و جوانی الفراق　۱　قطعہ　دورِ عیش و کامرانی الوداع
تجھ کو سمجھے تھے نعیمِ جاوداں　۲　اے نعیمِ جاودانی الوداع
تیرے جاتے ہی گئیں سب خوبیاں　۳　اے خدا کی مہربانی الوداع

آ لگا حالیؔ کنارے پر جہاز
الوداع اے زندگانی الوداع

غ

کل کبک سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ　　دیکھ اِس خرام ناز پہ اتنا نہ کر دماغ
ہے تاک میں عقاب تو شہباز گھات میں　　حملے سے یاں اجل کے نہیں ایکدم فراغ
یارب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو　　بلبل بہت ہے دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ
دو چار گام نقشِ قدم مِل کے رہ گیے　　آگے چلا نہ آہوے مشکیں کا کچھ سراغ
آئیں پئیں وہ شوق سے جو اہلِ ظرف ہوں　　ساقی بھرے کھڑا ہے میٔ لعل سے ایاغ
جنگل میں تختۂ گلِ خود رو کو دیکھ کر　　تازہ ہوا زمانہ کی ناقدریوں کا داغ

حالیؔ بھی پڑھنے آئے تھے کچھ بزمِ شعر میں
باری تب اُن کی آئی کہ گل ہو گئے چراغ

ف

حق نہ ملّا نے کچھ بتایا صاف — اور نہ صوفی نے کچھ دکھایا صاف
آنکھ اپنی ہی جب تلک نہ کھلی — مہر روشن نظر نہ آیا صاف
کبھی دشمن سے بھی نہ کھٹکے ہم — صاف تھے آپ سب کو پایا صاف
زاہدو ہم تو تھے ہی آلودہ — تم کو بھی ہم نے کچھ نہ پایا صاف

کیوں فقیہوں سے رک گئے حالی
بھید تم نے نہ کچھ بتایا صاف

ق

نہ ہم ہیں یار کی محفل میں بار کے لائق — نہ اپنا کلبۂ احزاں ہے یار کے لائق
کرے گا کیا ترا کحل الجواہر اے کحال — نہیں یہ آنکھ ہی دیدار یار کے لائق
مکان عاریتی اور لباس بوسیدہ — بہت ہے زندگی مستعار کے لائق
غرور و حرص ہیں زیور عروس دنیا کے — بناؤ تھے یہی اس نابکار کے لائق
کرے گی باد بہار آ کے اب کسے سرسبز — رہا نہ باغ قدوم بہار کے لائق
پس اب ہے فضلۂ روباہ گرگ پر گذراں — رہا نہ شیر ژیاں خود شکار کے لائق
گنہ کا عذر کریں محتسب ہم آنکھوں سے — ہمارے جرم ہوں گر اعتذار کے لائق
گرہ میں دام نہ دفتر میں نام ہے حالی — تمہیں تو شہر میں ہو اعتبار کے لائق
یہ ہم نے مانا کہ تم میں ہنر بھی ہیں کچھ کچھ — مگر نہیں کوئی خوبی شمار کے لائق

ک

دلوں کا کھوٹ اگر کیجیے برملا اِک ایک   تو آشنا سے ہو بیگانہ آشنا اِک ایک
سلامتی کو وہاں قافلوں کی رو بیٹھیں   جہاں ہے راہزنِ خلق رہنما اِک ایک
زمانہ پھر نظر آتا ہے کچھ ترقی پر   بنا ہے غوثِ زماں آجکل گدا اِک ایک
سنا ہوں رند بھی لے شیخ پارسا بھی ہیں   مری نگاہ میں ہے رند پارسا اِک ایک
وفا کی ایک تجھی سے امید ہے اس وقت   کریا ریار سے ہو جائیگا جدا اِک ایک
چھپا کے اُس سے قصور اپنے ہم بہت شرمائے   جب آپ منہ سے لگی بولنے خطا اِک ایک
ہوا نہ ایک بھی حق اُس کی بندگی کا ادا   کیا ہے جس نے حقِ خواجگی ادا اِک ایک
امیرِ حاج کی ہمت میں گر نہ آئے قصور   تو موجِ بحر ہے کشتی کی ناخدا اِک ایک
ہم آج بیٹھے ہیں ترتیب دینے دفتر کو   ورق جب اُس کا اُڑا لیگئی ہوا اِک ایک
بہار نے بھی نہ بلبل تری بجھائی آگ   جگر کے پار ہے اب بھی تری نوا اِک ایک
وہ عشق ہے نہ جوانی وہ تو ہی اب نہ وہ ہم   پہ دل پہ نقش ہی ابتک تری صدا اِک ایک

نہ ہم رہیں گے نہ حالی پہ دلخراش جہاں
رہے گی حالیِ دلگیر کی صدا اِک ایک

گ

عالمِ آزادگاں ہے اِک جہاں سب سے الگ   ہے زمیں اُنکی جدا اُن کا آسماں سب سے الگ
پاک ہیں آلائشوں سے۔ بندشوں سے ہیں نکو   رہتے ہیں دنیا میں سب کے درمیاں سب سے الگ

دوست کہتے ہیں جاں نثار اپنا ہو یا بیگانہ ہو — ہے عشیرہ اور اُن کا دودماں سب سے الگ
سب کی سُن لیتے ہیں لیکن اپنی کچھ کہتے نہیں — ہے کوئی بھیدی اور اُن کا رازداں سب سے الگ
جانچتے اوروں کو ہیں خود دیتے اپنا امتحاں — رکھتے ہیں اپنا طریقِ امتحاں سب سے الگ
اِک چمن بہرِ تفریح رکھتے ہیں زیرِ بغل — روضہ و بستانِ فردوسِ جناں سب سے الگ
کلبۂ احزاں ہے روشن یاں کا جس مہتاب سے — ہے وہ نورِ مہر و ماہ و کہکشاں سب سے الگ
سینکڑوں پھندوں میں یاں جکڑا ہوا ہے بند بند — پر ٹٹولے کوئی دل اُن کا تو واں سب سے الگ
شاعروں کے ہیں سب انداز سخن دیکھے ہوئے — دردمندوں کا ہی دکھڑا اور بیاں سب سے الگ

مال ہے نایاب پر گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالیؔ نے دکاں سب سے الگ

صلح ہے اِک مہلتِ سامانِ جنگ — کرتے ہیں بھرنے کو یاں خالی تفنگ
عہدِ گیتی پر نہ پھولیں کامراں — آخر اس کی آشتی لائے گی رنگ
علم کیا۔ اخلاق کیا۔ ہتھیار کیا — سب بشر کے مار رکھنے کے ہیں ڈھنگ
روکئے بدخو کو بدخوئی سے کیوں — آپ اپنی خو سے آ جائے گا تنگ
زہد و طاعت پر جوانوں کی نہ جاؤ — یہ بھی ہے اِک نوجوانی کی ترنگ
پاکبازوں کو نہیں کچھ قیدِ وضع — جو ہیں اچھے اُن پہ سب سجتے ہیں رنگ
کام کا شاید زمانہ ہو چکا — دل میں اب اُٹھتی نہیں کوئی اُمنگ
وہ عجائب اب نظر آتے ہیں کھیل — دیکھ پہلے جن کو رہ جاتے تھے دنگ

کاہشوں سے پرورش پائی ہے روح — اب لگا کھایا پیا سب آ کے لگ
عقل شاید ملک میں باقی ہے کچھ — ہے ابھی کچھ عاملِ افیون و بھنگ
بڑھ گیا ہے رحمِ انسانی بہت — ہو گی ایجاد اب نئی توپ و تفنگ

قوم کو حالی نہیں راس اتفاق
پھوٹ ہی کا بس کھلے گا ہم پہ رنگ

ل

ہو گئے ہیں ہم ہی کچھ اور آج کل — یا زمانہ ہی گیا یارب بدل
رہ گئے ہیں کچھ کچھ آثارِ سلف — اور ابھی ہونا ہے شاید مبتذل
اک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں — ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل
کب تک آخر ٹھہر سکتا ہے وہ گھر — آ گیا بنیاد میں جس کی خلل
ناؤ ڈوبے یا کہیں کھیوا ہو پار — تیری حد بھی ہے کچھ اے طولِ امل
اب لگاؤ پودھ کچھ اپنی نئی — لا چکے پودے بہت اگلوں کے پھل
دیکھیے نبھتا ہے کب تک پاسِ وضع — ہم نہ بدلے اور گیا عالم بدل
کوششوں میں کچھ مزا آتا نہیں — وقت کوشش کا گیا شاید نکل

اب سنو حالی کے نوحے عمر بھر
ہو چکا ہنگامۂ مدح و غزل

م

مدرسہ میں دہر کے رو بر قفا بیٹھے تھے ہم
اُٹھے بس ویسے ہی کورے جیسے جا بیٹھے تھے ہم

پھر وہی ہم ہیں کہ ہر عشوہ پہ ہیں کافر کے لوٹ
زالِ دُنیا سے ابھی ہو کر خفا بیٹھے تھے ہم

صحبتیں اہلِ ورع کی سب گئیں نظروں سے گر
بزمِ رنداں میں یونہیں اِک دن جا بیٹھے تھے ہم

شیخ دُنیا کی حقیقت رہ کے دُنیا میں کھُلی
ورنہ دھوکا دُور سے دیکھ اِسکو کھا بیٹھے تھے ہم

ہم نہ تھے آگاہ واعظ زشت خوئی سے تری
آدمی تجھ کو سمجھ کر پاس آ بیٹھے تھے ہم

سعی کا انجام پہلے ہی سے آتا تھا نظر
ہاتھ ساحل ہی پہ بیڑے سے اُٹھا بیٹھے تھے ہم

ہم سے خود دُنیا ہی پتیائی نہ حالی ورنہ یاں
دین تک دُنیا کی قیمت میں لگا بیٹھے تھے ہم

خوبیاں اپنے میں گو بے انتہا پاتے ہیں ہم
پر ہر اک خوبی میں داغ اِک عیب کا پاتے ہیں ہم

خوف کا کوئی نشاں ظاہر نہیں افعال میں
گو کہ دِل میں متصل خوفِ خدا پاتے ہیں ہم

کرتے ہیں طاعت تو کچھ خواہاں نمائش کے نہیں
پر نہ چھُپ چھُپ کے کرنے میں مزا پاتے ہیں ہم

دیدہ و دل کو خیانت سے نہیں رکھ سکتے باز
گرچہ دست و پا کو اکثر بے خطا پاتے ہیں ہم

دِل میں دردِ عشق نے مدت سے کر رکھا ہے گھر
پر اُسے آلودۂ حرص و ہوا پاتے ہیں ہم

ہو کے نادم جرم سے پھر جرم کرتے ہیں وہی
جرم سے گو آپ کو نادم سدا پاتے ہیں ہم

ہیں فدا اُن دوستوں پر جن میں ہو صدق و صفا
پر بہت کم آپ میں صدق و صفا پاتے ہیں ہم

گو کسی کو آپ سے ہونے نہیں دیتے خفا
اِک جہاں سے آپکو لیکن خفا پاتے ہیں ہم

جانتے اپنے سوا سب کو ہیں بے مہر و وفا
اپنے میں گر شمّۂ مہر و وفا پاتے ہیں ہم

بخل سے منسوب کرتے ہیں زمانہ کو سدا
گر کبھی توفیق و ایثار و عطا پاتے ہیں ہم

ہو اگر مقصد میں ناکامی تو کر سکتے ہیں صبر
درد خود کامی کو لیکن بے دوا پاتے ہیں ہم

ٹھہرتے جاتے ہیں جتنے چشم عالم میں بھلے
حال نفسِ دوں کا اتنا ہی بُرا پاتے ہیں ہم

جس قدر جھک جھک کے ملتے ہیں بزرگ و خرد سے
کبر و ناز اتنا ہی اپنے میں سوا پاتے ہیں ہم

گو بھلائی کرکے ہمجنسوں سے خوش ہوتا ہے جی
تہ نشیں اس میں مگر دردِ ریا پاتے ہیں ہم

ہے ردائے نیکنامی دوش پر اپنے مگر
داغ رسوائی کے کچھ زیر ردا پاتے ہیں ہم

راہ کے طالب ہیں پر بے راہ پڑتے ہیں قدم
دیکھئے کیا ڈھونڈھتے ہیں اور کیا پاتے ہیں ہم

نور کے ہم نے گلے دیکھے ہیں اے حالی مگر
رنگ کچھ تیری الاپوں میں نیا پاتے ہیں ہم

آگے بڑھے نہ قصۂ عشق بتاں سے ہم
سب کچھ کہا مگر نہ کھلے رازداں سے ہم

اب بھاگتے ہیں سایۂ عشق بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم

خود رفتگی شب کا مزا بھولتا نہیں
آئے ہیں آج آپ میں یارب کہاں سے ہم

دردِ فراق و رشک عدو تک گراں نہیں
تنگ آگئے ہیں اپنے دلِ شادماں سے ہم

جنت میں تو نہیں اگر اے زخم تیغ عشق
بدلیں گے تجھکو زندگی جاوداں سے ہم

لینے دو چین کوئی دم اے منکر و نکیر
آئے ہیں آج چھوٹ کے قیدِ گراں سے ہم

ہنستے ہیں اس کے گریۂ بے اختیار پر
بھولے ہیں بات کہہ کے کوئی رازداں سے ہم

اب شوق سے بگاڑ کی باتیں کیا کرو — کچھ پا گئے ہیں آپ کی طرز ادا سے ہم
دلکش ہر ایک قطعۂ صحرا ہے راہ میں — ملتے ہیں جا کے دیکھئے کب کارواں سے ہم

لذت ترے کلام میں آئی کہاں سے یہ
پوچھیں گے جا کے حالیؔ جادو بیاں سے ہم

ن

یاروں کو تجھ سے حالیؔ اب سرگرانیاں ہیں — نیندیں اُچاٹ دیتی تیری کہانیاں ہیں
یاد اس کی دل سے دھو دے اے چشم تر تو مانیں — اب دیکھنی تجھے بھی تیری روانیاں ہیں
بنتے ہیں غیر اپنے ہوتے ہیں رام وحشی — اُلفت کی بھی جہاں میں کیا حکمرانیاں ہیں
غیبت ہو یا حضوری دونوں بُری ہیں تیری — جب بدگمانیاں تھیں اب بدزبانیاں ہیں
کہتے ہیں جس کو جنت وہ اک جھلک ہے تیری — سب واعظوں کی باقی رنگیں بیانیاں ہیں
رحمت تری غذا ہے غصہ تری ادا ہے — شانیں ہیں تیری جتنی جانِ جہانیاں ہیں
ہوگا تو پہلے ہوگا اے چرخ مہرباں تو — کچھ اِن دنوں تو ہم پر نامہربانیاں ہیں
اپنی نظر میں بھی یاں اب تو حقیر ہیں ہم — بے غیرتی کی یارو اب زندگانیاں ہیں
روتے ہیں چار ہم پر ہنستے ہیں چار ہم پر — یاں تک ہماری پہنچیں اب ناتوانیاں ہیں
ہر حکم پر ہوں راضی ہر حال میں ہیں خوش — حصہ میں اب ہمارے یہ شادمانیاں ہیں
خاور سے باختر تک جن کے نشاں تھے برپا — کچھ مقبروں میں باقی اُن کی نشانیاں ہیں
دیکھا نہیں ابھی تک قحط الرجال تم نے — اس سے بھی سخت آئیں آگے گرانیاں ہیں

کھیتیوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا ۔ کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں
فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہوں تو جانیں ۔ گر یہ نہیں تو بابا وہ سب کہانیاں ہیں
رونے میں تیرے حالی لذت ہے کچھ نرالی
یہ خوں فشانیاں ہیں یا گل فشانیاں ہیں

جب سے سُنی ہے تیری حقیقت چین نہیں اک آن ہمیں
اب نہ سُنیں گے ذکر کسی کا آگے کو ہوئے کان ہمیں
کچھ روزوں غفلت میں پھرے یاں ڈھونڈتے ہم آسائش کو
کھُل گئی جب دُنیا کی حقیقت کچھ نہ رہا خلجان ہمیں
چل کے نئی اِک چال فلک نے کھو دیئے ہوش حریفوں کے
زد سے بچیں یا مات قبولیں اتنے نہیں اوسان ہمیں
پاس اُنہیں گر اپنا ذرا ہو ۔ جان اپنی بھی اُن پہ فدا ہو
کرتے ہیں خود نا منصفیاں اور کہتے ہیں نا فرمان ہمیں
داد طلب سب غیر ہوں جب تو اُن میں کسی کا پاس ہو
بتلائی ہے زمانہ نے اِنصاف کی یہ پہچان ہمیں
صحرا میں کچھ بکریوں کو قصاب چراتا پھرتا تھا
دیکھ کے اُس کو سارے تمہارے آگئے یاد احسان ہمیں
یاں تو بدولت زہد و ورع کے بندھ گئی خاصی عزت سے

بن نہ پڑا پر کل کے لئے جو کرنا تھا سامان ہمیں
سُر بھتے وہی اور تال وہی پر راگنی کچھ بیوقت سی تھی
غُل تو بہت یاروں نے مچایا پڑ گئے۔ اکثر مان ہمیں
غیر سے اب وہ بیر نہیں اور یار سے اب وہ پیار نہیں
بس کوئی دن کا اب حالی یاں سمجھو تم مہمان ہمیں

کی تو ہیں ہم نے بھی حالی کوچ کی تیاریاں — سوجھتی ہیں راہ میں لیکن بہت دشواریاں
خواب راحت میں وہ لذت تیرے ای پیری نہیں — جو جوانی میں مزا دیتی تھیں سب بیداریاں
ہیں اگر بیدردیاں اپنوں کی دل کو ناگوار — ناگوار ان سے سوا غیروں کی ہیں غمخواریاں
ہے کہیں اقبال کی نوبت کہیں ادبار کی — سب کو کرنی ہونگی پوری اپنی اپنی باریاں
زیست بے عقلوں کو ہو جائے بسر کرنی محال — اتنی بھی اے عاقلو اچھی نہیں ہشیاریاں
بے مزہ ہے اہلِ دیں کی ترشروئی بھی مگر — اس سے پھیکی اہلِ دُنیا کی ہیں ظاہر داریاں
گو طبیعت سے گئے سب مادّے فاسد نکل
کم ہوئیں حالی نہ لیکن نفس کی بیماریاں

رازِ دل کی سرِ بازار خبر کرتے ہیں — آج ہم شہر میں خون اپنا ہدر کرتے ہیں
عقل کی بات کوئی ہم نے کہی ہے شاید — جتنے جتنے ہیں سب ہم سے حذر کرتے ہیں
جُرمِ خالق سے سوا پاتے ہیں جُرمِ فقہا — جب کہ ہم اپنے گناہوں پہ نظر کرتے ہیں
کم سے کم وعظ میں اتنا تو اثر ہو واعظ! — بول قوّال کے جو دل میں اثر کرتے ہیں

زہد و طاعت کا سہارا نہیں جب سے زاہد — یادِ اللہ کو ہم آٹھ پہر کرتے ہیں
عیب یہ ہے کہ کرو عیب، ہنر دکھلاؤ — ورنہ یاں عیب تو سب فردِ بشر کرتے ہیں
غمزہ و رنج و مصیبت پہ کرو ناز کہ وہ — دل دکھاتے ہیں اُنہی جس میں کہ گھر کرتے ہیں
جی رکاوٹ سے جو اُن کی کبھی رُک جاتا ہے — اک لگاوٹ سی اِدھر سے وہ اُدھر کرتے ہیں
اِک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یا رب — یا اِسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں
تلخیاں زیست کی تھوڑی سی رہی ہیں باقی — یہ بھی ہم جو خدا چاہے تو سر کرتے ہیں
قیصر و زار کا یاں پیٹ تو بھرنا معلوم — بس ہماری ہی طرح وہ بھی گزر کرتے ہیں

کہیں افطار کا حیلہ تو نہ ہو یہ حالی
آپ اکثر رمضان ہی میں سفر کرتے ہیں

دیکھنا ہر طرف نہ مجلس میں — رخنے مجلس کے سیکڑوں ہیں ہمیں
کی نصیحت بُری طرح ناصح — اور اک بس ملا دیا اُس میں
ہو نہ بینا تو فرق پھر کیا ہے — چشمِ انسان و چشمِ نرگس میں
بے قدم دم ہیں خانقاہوں میں — بے عمل علم ہیں مدارس میں
دین اور فقر تھے کبھی کچھ چیز — اب دھرا کیا ہے اُن میں اور اِس میں
نہ ہو قبضے میں جب عنانِ فرس — ہیچ ہیں جو ہنر ہیں فارس میں
جس سے نفرت ہے اہلِ نعمت کو — وہی نعمت ہے چشمِ مفلس میں
ہو فرشتہ بھی تو نہیں انسان — درد تھوڑا بہت نہ ہو جس میں

جانور - آدمی - فرشتہ - خدا
آدمی کی ہیں سیکڑوں قسمیں
آج کل جس خط کی دھوم ہے بہت
دیکھیئے ہو بگاڑ کس کس میں
کی ہے خلوت پسند حالی نے
اب نہ دیکھو گے اِس کو مجلس میں

بوالہوس عشق کی لذت سے خبردار نہیں
ہیں مے ناب کے دلدادہ قدح خوار نہیں
شہر میں اُن کے نہیں جنس وفا کی بکری
بھاؤ ہیں پوچھتے پھرتے یہ خریدار نہیں
کون سے وہ گُلِ رعنا پہ نواسنج نہیں
کونسی نرگسِ شہلا کے وہ بیمار نہیں
کبھی لیلیٰ پہ ہیں مفتون کبھی شیریں پہ فدا
اور جو پھر دیکھو تو دو نوں سے سروکار نہیں
اُٹھ نہیں سکتی سزا جرمِ وفا کی اُن سے
دِل پھنسا کر کہیں بنتے وہ گنہگار نہیں
عیش میں جان فدا کرنے کو تیار ہیں وہ
اور جو ہو کبل کا کھٹکا بھی تو پھر یار نہیں
نت نیا ذائقہ چکھنے کا ہے لپکا اِن کو
دسبدجا نکنے پھرنے سے اِنہیں عار نہیں
بوالہوس کام طلب بندۂ نفس اہلِ ہوا
ایک عالم ہے اسی رنگ میں دو چار نہیں
دعویٰ عشق و محبت پہ نہ جانا اُن کے
اِن میں گفتار ہی گفتار ہے کردار نہیں
کہے حالی بھی اگر عاشقِ صادق ہوں میں
کہدو واللہ کہ صادق نہیں زنہار نہیں

پھونکا ہے فصلِ گُل نے صور آکے پھر چمن میں
اِک حشر سا ہے برپا مرغانِ نغمہ زن میں
بلبل کے آگ سی کچھ تن من میں لگ رہی ہے
بجلی گری فلک سے یا گُل کِھلا چمن میں

بادِ صبا گئی پھونک کیا جانے کان میں کیا — پھولے نہیں سماتے غنچے جو پیرہن میں
چپ چاپ ہے زبانِ سوسن حیران ہے چشمِ نرگس — قدرت کا دیکھ جلوہ نسرین و نسترن میں
ہیں اور تو ادائیں ساری سہی قدوں کی — پڑتی ہے جان باقی بس سرو و نارون میں
ہے عید اہلِ اسلام یا موسمِ بہاراں — جنگل بسا ہوا ہے سب عطرِ یاسمن میں
مُنہ سے دھواں سا اُٹھا لیتے ہی نامِ اسلام — بارود بچھ رہی تھی گویا لب و دہن میں
پھر زخم پھوٹ نکلا حالیؔ نہ چھیڑنا تھا — فصلِ خزاں کا قصّہ ذکرِ گل و سمن میں
گو رو چکے ہیں دُکھڑا سو بار قوم کا ہم — پر تازگی وہی ہے اِس قصّۂ کہن میں
وہ قوم جو جہاں میں کل صدرِ انجمن تھی — تم نے سُنا بھی؟ اُس پر کیا گذری انجمن میں
پائیں بزم بھی اب ملتی نہیں اُسے جا — روندوں میں ہے وہ گلبن پھولا تھا جو چمن میں
مُدھ بُھ کی جوں میں ہے مرغوب اب وہ ملّت — تھی سہمناک کل تک جو شیر کے بدن میں
وہ دن گئے کہ حکمت تھی مستند یمن[1] کی — ہے اب بجائے حکمت خاک اُڑ رہی یمن میں
وہ دن گئے کہ موتی مشہور تھے عدن کے — ہے کال موتیوں کا اب سر بسر عدن میں
قبرِ اویس پر ہے بس فخر اب قرن کو — زندہ اویس کوئی باقی نہیں قرن میں
اِس باغ کی خزاں نے کچھ خاک ہی اُڑا دی — فصلِ بہار گویا باقی نہ تھی چمن میں
ڈالی نہ ہو گی آگے اے دورِ چرخ شاید — جو اب کے تو نے ہلچل ڈالی ہے انجمن میں

---

[1] یمن کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ الایمانُ یمانٍ وَالحکمۃُ یمانیۃ یعنی ایمان ہے تو یمن کا ہے اور حکمت ہے تو یمن کی ہے" اسی بنا پر میر باقر داماد نے اپنے فلسفہ کا نام حکمت یمانیہ رکھا ہے ۱۲

پُرخ اور بہیر دونوں پھرتی ہیں بے سری سی　　گویا امیر لشکر مارا گیا ہے رن میں
خرد و بزرگ سارے ہیں بدحواس گویا　　لٹنے کی قافلہ کے پہنچی خبر وطن میں
بھولی ہوئی ہیں ڈاریں ہرنوں کی چوکڑی سب　　جائیں کدھر کہ ہر سو دوڑن لگی ہی بن میں
حالیؔ بس اب نہیں یاں سننے کی تاب باقی　　مانا کہ ہے بہت کچھ وسعت ترے سخن میں

نوکِ زبان نے تیری سینوں کو چھید ڈالا
ترکش میں ہے یہ پیکاں یا ہے زبان دہن میں

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں　　اب ٹھیرتی ہے دیکھیے جا کر نظر کہاں
ہے درد جام اوّل شب میں خودی سے دور　　ہوتی ہے آج دیکھیے ہم کو سحر کہاں
یارب اس اختلاط کا انجام ہو بخیر　　تھا اس کو ہم سے ربط مگر اس قدر کہاں
اک عمر چاہیے کہ گوارا ہو نیش عشق　　رکھی ہے آج لذتِ زخمِ جگر کہاں
بس ہو چکا بیان کسل و رنج راہ کا　　خط کا مرے جواب ہے اے نامہ بر کہاں
کون و مکاں سے ہے دلِ وحشی کنارہ گیر　　اس خانماں خراب نے ڈھونڈھا ہے گھر کہاں
ہم جس پہ مر رہے ہیں وہ ہے بات ہی کچھ اور　　عالم میں تجھ سے لاکھ سہی تو مگر کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترکِ عشق کی　　دِل چاہتا نہ ہو تو زبان میں اثر کہاں

حالیؔ نشاطِ نغمہ و مے ڈھونڈھتے ہو اب
آئے ہو وقتِ صبح رہے رات بھر کہاں

پیا ہمنے نہ جام بے کدورت بزم دوراں میں　　خزاں کو لیگئے ہمراہ گر پہنچے گلستاں میں

نہیں کچھ منحصر دلبستگی زلفِ پریشاں میں   جو دل چاہے تو الجھے اک غبارِ دودِ پیچاں میں

اگر چھوڑا کمندِ جذبۂ عشقِ زلیخا نے   نہ رہنے دیگا حسنِ خود نما یوسف کو کنعاں میں

تصور نے بھلایا تیرے ذوقِ شادی و غم کو   نہ کچھ کلفت ہے زنداں میں نہ کچھ راحت شبستاں میں

خوشی میں بھی نہیں رہنا خوش آتا ایک حالت پر   کہاں تک جی نہ گھبرائے اکیلی دردِ ہجراں میں

زباں تقریر سے قاصر قلم تحریر سے عاجز   نہ پوچھو ہم سے کیا دیکھا ہے ہم نے بزمِ رندان میں

فلک سے جیتے جی معلوم ملنا کامِ دل اے خضر   سوائے طولِ حسرت کیا دھرا ہے آبِ حیواں میں

نہ چھوڑیگی محبت یار سے ناکام عاشق کو   نسیمِ مصر کب آتا ہے اک دن بیتِ احزاں میں

گل و نسرین تو کیا فرقت میں جی تک چھوٹ جاتا ہے   ہمارا بھی کبھی لگتا تھا دل سیرِ گلستاں میں

بہت دن چاہئیں یوسف کو تا پہنچے زلیخا تک   نکل کر چاہِ کنعاں سے ابھی رہنا ہے زنداں میں

نہ دی حیرت نے حالی فرصتِ سیرِ جہاں اک دم
رہے ہم شہر میں ایسے کہ تھے گویا بیاباں میں

اب وہ اگلا سا التفات نہیں   جس پہ بھولے تھے ہم وہ بات نہیں

مجھکو تم سے ہے اعتمادِ وفا   تم کو مجھ سے پر التفات نہیں

رنج کیا کیا ہیں ایک جان کے ساتھ   زندگی موت ہے حیات نہیں

یوں نہیں گذرے تو سہل ہے لیکن   فرصتِ غم کو بھی ثبات نہیں

کوئی دلسوز ہو تو کیجے بیان   سرسری دل کی واردات نہیں

ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید   جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں

قیس ہو کوہکن ہو یا حالی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

کچھ ہنسی کھیل سنبھلنا غمِ ہجراں میں نہیں
چاکِ دل میں ہے مرے جو کہ گریباں میں نہیں

کھو دیا یاس نے ذوقِ خلشِ فکرِ وصال
اک مزا تھا سو وہ اب کاوشِ پنہاں میں نہیں

ہنسنے کی سیرِ چمن غور سے اے بلبلِ زار
بات چبھتی ہوئی کوئی گل و ریحاں میں نہیں

عشق نے مصر میں سو بار زلیخا سے کہا
فتنۂ دہر ہے جو حسن وہ کنعاں میں نہیں

محتسب! صدق و صفا یاں ہے انہیں کے دم تک
مصلحت یہ بھی صحبتِ رنداں میں نہیں

یاں بھی ہے کون وہ مکاں کہ دلِ وحشی آزاد
جس کو ہم قید سمجھتے ہیں وہ زنداں میں نہیں

بھیڑتے بھیڑتے دل یوں ہی ٹھہر جائیگا
بات جو آج ہے وہ کل غمِ ہجراں میں نہیں

کس طرح اسکی لگاوٹ کو بناوٹ سمجھوں
خط میں لکھا ہے وہ القاب جو عنواں میں نہیں

دی ہے واعظ نے کئی بار آپ کی تکلیف نہ پوچھ
ایسے الجھاؤ ترے کاکلِ پیچاں میں نہیں

آدمی ہو تو کبھی پاس محبت کے نہ جائے
اب بھی کہتے ہیں کہ ہم غیر کے نقصاں میں نہیں

بیقراری تھی سب امیدِ ملاقات کے ساتھ
اب وہ اگلی سی درازی شبِ ہجراں میں نہیں

حالیِ زار کو کہتے ہیں کہ ہے شاہد باز
یہ تو آثار کچھ اس مردِ مسلماں میں نہیں

غمِ فرقت ہی میں مرنا ہو تو دشوار نہیں
شادیِ وصل بھی عاشق کو سزاوار نہیں

خوبروئی کے لئے زشتیِ خو بھی ہے ضرور
سچ تو یہ ہے کہ کوئی تجھ سا طرحدار نہیں

قول دینے میں تامّل نہ قسم سے انکار
ہم کو سچّا نظر آتا کوئی اقرار نہیں

کل خرابات میں اک گوشہ سے آتی تھی صدا
دل میں سب کچھ ہے مگر رخصتِ گفتار نہیں

حق ہوا کس سے ادا اسکی وفاداری کا
جس کے نزدیک جفا باعثِ آزار نہیں

دیکھتے ہیں کہ پہنچتی ہے وہاں کونسی راہ
کعبہ و دیر سے کچھ ہم کو سروکار نہیں

ہوں گے قائل وہ ابھی مطلعِ ثانی سن کر
جو تعلّی میں یہ کہتے ہیں کہ تکرار نہیں ؎

ہیں تو میں غیر کو مرنے سے اب انکار نہیں
اک قیامت ہی ترے ہاتھ میں تلوار نہیں

کچھ پتا منزلِ مقصود کا پایا ہم نے
جب یہ جانا کہ ہمیں طاقتِ گفتار نہیں

چشمِ بد دور بہت پھرتے ہیں اغیار کیساتھ
غیرتِ عشق سے ابتک وہ خبردار نہیں

ہو چکا ناز اٹھانے میں ہے گو کام تمام
للّٰہ الحمد کہ با ہم کوئی تکرار نہیں

مدتوں رشک نے اغیار سے ملنے نہ دیا
دل نے آخر یہ دیا حکم کہ کچھ عار نہیں

اصلِ مقصود کا ہر چیز میں ملتا ہے پتا
ورنہ ہم اور کسی شے کے طلبگار نہیں

بات جو دل میں چھپائے نہیں بنتی حالی
سخت مشکل ہے کہ وہ قابلِ اظہار نہیں

وحشت میں تھا خیالِ گل و یاسمن کہاں
لائی ہے بوئے انس نسیم چمن کہاں

ہے بندگی کے ساتھ یہاں ذوقِ دید بھی
جائے گا دیر چھوڑ کے اب برہمن کہاں

اہلِ طریق جس کو سمجھتے ہیں زادِ راہ
واں دخل دستبرد کو اے راہزن کہاں

فصلِ خزاں کمین میں ہے صیاد گھات میں | مرغِ چمن کو فرصتِ سیرِ چمن کہاں
لاتا ہے دل کو وجد میں اِک حرفِ آشنا | لیجائیے ہم کو دیکھئے ذوقِ سخن کہاں
جی ڈھونڈھتا ہے بزمِ طرب میں اُنہیں مگر | وہ آئے انجمن میں تو پھر انجمن کہاں
دِل ہو گیا ہے لذّتِ غربت سے آشنا | اب ہم کہاں ہوائے نشاطِ وطن کہاں
کہتا ہے خیر ہم بھی سہی دشمن آپکے | شکوے کو لیگیا ہے وہ بیادغن کہاں

ردکا بہت کل آپ کو حالی نے واں مگر
جاتا ہے محوِ شوق کا دیوانہ پن کہاں

کوئی محرم نہیں مِلتا جہاں میں | مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح | لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
کوئی دن بوالہوس بھی شاد ہو لیں | دھرا کیا ہے اشاراتِ نہاں میں
کہیں انجامِ آ پہونچا وفا کا | کھُلا جاتا ہے اب کے امتحاں میں
نیا ہے لیجئے جب نام اس کا | بہت وسعت ہے میری داستاں میں
دِل پُر درد سے کچھ کام لوں گا | اگر فرصت مِلی مجھ کو جہاں میں

بہت جی خوش ہوا حالی سے مِلکر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

و

مرے دل میں ہو گو مجھ سے نہاں ہو | ق مجھے بھی ڈھونڈ لینا تم جہاں ہو

نہ چھیڑوں تذکرہ وصلِ عدو کا　　اگر طبعِ مبارک پر گراں ہو
تقاضائے محبت ہے۔ وگرنہ　　مجھے اور جھوٹ کا تم پر گماں ہو
بہت بیقدر ہوں محفل میں تیری　　کہیں ناخواندہ تو بھی میہماں ہو
مجھے ڈالا ہے سو وہم و گماں میں　　بہت کیوں آج مجھ پر مہرباں ہو
کمر خوں پر ہمارے باندھ رکھے　　جسے سنتی ہماری داستاں ہو

مؤثر ہے بہت حالی ترا وعظ
کل اس کے سامنے بھی کچھ بیاں ہو

حکم ہے پیرِ مغاں کا جوانی نہ گنواؤ　　خیر کفارۂ عصیاں ہے پیو اور پلاؤ
دل کو کس طرح سمجھیے کہ وہی ہے یہ دل　　وہ امیدیں ہیں نہ ارمان وہ امنگیں ہیں نہ چاؤ
یار کو یار سمجھتا ہے نہ تو غیر کو غیر　　تو تو اچھا ہے مگر تیرے نرالے ہیں برتاؤ
دوست ہوں جسکے ہزاروں وہ کسی کا نہیں دوست　　سچ بتا تجھ کو کسی سے بھی ہے دنیا میں لگاؤ
تو وہی برقِ جہاں سوز ہی بن خواہ نہ بن　　ہے برابر ترا بے ساختہ پن اور بناؤ
ایک ہی دوست اور اس سے ہمیں چھٹواتے ہو　　ناصحاب تمہیں دشمن کہیں یا دوست بتاؤ
ہو گیا ذکرِ قیامت تو اجیرن واعظ　　باتیں کچھ اور کرو قصہ کوئی اور سناؤ
تجھ کو اے ابرِ بلا دیکھ کے جی چھوٹ گیا　　ایک ہی بار تم اے بادلو اس طرح نہ چھاؤ
پہنچ اے خضر کہ ہے وقت مددگاری کا　　ڈگمگاتی ہے بہت دیر سے منجدھار میں ناؤ
دیکھیں کس طرح نہ سرسبز ہو پھر کشتِ امید　　آؤ اور ندیاں آج آنسوؤں کی مل کے بہاؤ

اے شرافت تجھے بکنا ہے اگر مفت تو بک آج کل کیجیے کیا ہے یہی بازار کا بھاؤ
قافلے ساتھ کے جا پہنچے حرم کے لگ بھگ وقت اب ہاتھ سے جاتا ہے جو آتے ہو تو آؤ

ان کے نالوں نے کیا بزم کو آخر بے لطف
ہم نہ کہتے تھے کہ حالی کو نہ محفل میں بلاؤ

نہ فیضِ حق بند جب تھا نہ اب کچھ فقیروں کی جھولی میں ہے اب بھی سب کچھ
ہر اک کو نہیں ملتی یاں بھیک زاہد بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ
کچھ اور آؤ بن کر تم اے میر و مرزا نہیں پوچھتے یاں حسب اور نسب کچھ
یہ طبلِ تہی ہیں جو ہنکارتے ہیں جنہیں کچھ خبر ہے وہ کہتے ہیں کب کچھ
دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
ہے افسردہ مجلس کی خست سے واعظ وہ گرمائیگا یہ سمجھیں گے جب کچھ
تمہاری ہی کہنی تھی جو کہہ چکے سب نہیں ناصحو تم پہ الزام اب کچھ
یہ ہے میرِ مجلس کہ چینی کی مورت ٹٹولو تو ہیچ اور دیکھو تو سب کچھ

کوئی لقمۂ چرب تاکا ہے شاید
یہ حالی کی عزلت نہیں بے سبب کچھ

بڑھاؤ نہ آپس میں ملت زیادہ مبادا کہ ہو جائے نفرت زیادہ
تکلف علامت ہے بیگانگی کی نہ ڈالو تکلف کی عادت زیادہ

کرو دوستو پہلے آپ اپنی عزت — جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
نکالو نہ رخنے نسب میں کسی کے — نہیں اس سے کوئی رذالت زیادہ
کرو علم سے اکتساب شرافت — نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ
فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو — اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
جہاں رام ہوتا ہے میٹھی زباں سے — نہیں لگتی کچھ اس میں دولت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا — مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
کرو ذکر کم اپنی داد و دہش کا — مبادا کہ ثابت ہو خسّت زیادہ
پھر اوروں کی تکتے پھروگے سخاوت — بڑھاؤ نہ حد سے سخاوت زیادہ
کہیں دوست تم سے نہ ہو جائیں بدظن — جتاؤ نہ اپنی محبت زیادہ
جو چاہو فقیری میں عزت زیادہ — نہ رکھو امیروں سے ملّت زیادہ
وہ افلاس اپنا چھپاتے ہیں گویا — جو دولت سے کرتے ہیں نفرت زیادہ
نہیں چھپتے عیب اتنی ثروت سے تیرے — خدا دے تجھے خواجہ ثروت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم — پہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا — مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ
بکے مفت یاں ہم زمانہ کے ہاتھوں — یہ دیکھا تو تھی یہ بھی قیمت زیادہ
ہوئی عمر دنیا کے دھندوں میں آخر — نہیں بس اب اے عقل مہلت زیادہ
غزل میں وہ رنگت نہیں تیری حالی — الاپیں بس آپ حضرت زیادہ

حقیقت محرمِ اسرار سے پوچھ — مزا انگور کا مے خوار سے پوچھ

وفائے اغیار کی اغیار سے سن — مری الفت در و دیوار سے پوچھ

ہماری آہِ بے تاثیر کا حال — کچھ اپنے دل سے کچھ اغیار سے پوچھ

دلوں میں ڈالنا ذوقِ اسیری — کمندِ گیسوئے خمدار سے پوچھ

دلِ مہجور سے سن لذتِ وصل — نشاطِ عافیت بیمار سے پوچھ

نہیں جز گریۂ غم حاصلِ عشق — ہماری چشمِ دریا بار سے پوچھ

نہیں آبِ بقا جز جلوۂ دوست — کسی لب تشنۂ دیدار سے پوچھ

فریبِ وعدۂ دیدار کی قدر — شہیدِ خنجرِ انکار سے پوچھ

فغانِ شوق کو مانع نہیں وصل — یہ نکتہ عندلیبِ زار سے پوچھ

تصور میں کیا کرتے ہیں جو ہم — وہ تصویرِ خیالِ یار سے پوچھ

متاعِ بے بہا ہے شعرِ حالی
میری قیمت مری گفتار سے پوچھ

ی

ہے اُن کی دوستی پر ہم کو تو بدگمانی — وہ ہم کو دوست سمجھیں یہ اُن کی مہربانی

بے جرم کوئی آخر کب تک سنے ملامت — ناصح سے ہم کو اپنی کہنی پڑی کہانی

عاشق کے دل کو ٹھنڈک جو تیری آگ میں ہے — دیتا نہیں وہ لذت پیاسے کو سرد پانی

اُمیدِ وصل سے ہے کچھ جی چھوڑے دیتا — جو کچھ سنا ہے ہم نے مشاطہ کی زبانی

ہر حکم پہ ہوں راضی ہر حال میں رہیں خوش
کچھ ہے اگر تو یہ ہے دنیا میں شادمانی

صبر و سکوں سے ہم کو یہ بھی نہ بیٹھنے دے
تھوڑی سی رہ گئی ہے لے دے کا ہش نہانی

پھر یہ بنائے ہستی ہے تیرے بعد ویراں
ہے تو بھی اب غنیمت اے ضعف و ناتوانی

دیکھا جہاں جہاں ان آنکھوں نے ورنہ دل نے
کیا جانئے کہیں ادا اسکی کس نے دل ستانی

اک نکتہ کے بیاں سے بے سر ہو گئے حالی
چلتا نہیں کسی کا یاں لاف نکتہ دانی

کہہ دو کوئی ساقی سے کہ ہم مرتے ہیں پیاسے
گر مے نہیں دے زہر ہی کا جام پلا دے

جو کچھ ہے سو ہے اسکے تغافل کی شکایت
قاصد سے ہے تکرار نہ جھگڑا ہے صبا سے

دلدار نے امید دلانی تو ہے لیکن
دیتے نہیں کچھ دل کو تسلی یہ دلاسے

ہے وصل تو تقدیر کے ہاتھ اے شہ خوباں
یاں ہیں تو فقط تیری محبت کے ہیں پیاسے

پیاسے ترے سرگشتہ ہیں جو راہ طلب میں
ہونٹوں کو وہ کرتے نہیں تر آب بقا سے

در گزرے دوا سے تو بھروسے پہ دعا کے
در گزریں دعا سے بھی دعا ہے یہ خدا سے

اک درد ہو بس آٹھ پہر دل میں کہ جس کو
تخفیف دوا سے ہو نہ تسکین دعا سے

حالی دل انساں میں ہے گم دولت کونین
شرمندہ ہوں کیوں غیر کے احسان و عطا سے

جب وقت پڑے دیجئے دستک در دل پر
جھکئے فقرا سے نہ جھجکئے امرا سے

کبک و قمری میں ہے جھگڑا کہ چمن کس کا ہے
کل بتا دے گی خزاں یہ کہ وطن کس کا ہے

فیصلہ گردشِ دوراں نے کیا ہے سو بار
مرو کس کا ہے بدخشان و ختن کس کا ہے

دم سے یوسف کے جب آباد تھا یعقوب کا گھر
چرخ کہتا تھا کہ یہ بیت حزن کس کا ہے

مطمئن اس سے مسلماں نہ مسیحی نہ یہود
دوست کیا جانیے یہ چرخ کہن کس کا ہے

واعظ اک عیب سے تو پاک ہے یا ذاتِ خدا
ورنہ بے عیب زمانہ میں چلن کس کا ہے

آج کچھ اور دنوں سے ہے سوا استغراق
عزمِ تسخیر پھر اے شیخِ زمن کس کا ہے

آنکھ پڑتی ہے ہر اک اہل نظر کی تم پر
تم میں روپ اے گل و نسرین و سمن کس کا ہے

عشق ادھر عقل ادھر دھن میں چلے تیز ہی
رستہ اب دیکھیے دونوں میں کٹھن کس کا ہے

شان دیکھی نہیں گر تو نے چمن زا اس کی
ولولہ تجھ میں یہ اے مرغِ چمن کس کا ہے

ہیں فصاحت میں مثل واعظ و حالی دونو
دیکھنا یہ ہے کہ بے لاگ سخن کس کا ہے

ہوا کچھ اور ہی عالم میں چلتی جاتی ہے
ہنر کی عیب کی صورت بدلتی جاتی ہے

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

سپاہ و میر سپہ باغ باغ ہیں۔ لیکن
بھیر روتی ہے اور ہاتھ ملتی جاتی ہے

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب
کہا زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے

قلق انہیں نہیں گر دوستوں سے چھٹنے کا
طبیعت اپنی بھی کچھ کچھ سنبھلتی جاتی ہے

بہت سے کھو دیے خلجان بینوائی نے
ضرورت ایک کے بعد ایک ٹلتی جاتی ہے

تھکے ہیں بار امانت سے تیرے سب عاجز
زمیں بھی اپنے خزانے اگلتی جاتی ہے

اُڑے گی خاک تقدس کی اب سرِ بازار فقیہ و شیخ میں جوتی اُچھلتی جاتی ہے
نہ خوف مرنے سے جب تھا نہ اب کچھ حالی
کچھ اِک جھجک تھی سو وہ بھی نکلتی جاتی ہے

بُری اور بھلی سب گزر جائے گی یہ کشتی یونہیں پار اُتر جائے گی
ملے گا نہ گلچیں کو گل کا پتا ہر اک پنکھڑی یوں بکھر جائے گی
رہیں گے نہ ملاح یہ دن سدا کوئی دن میں گنگا اُتر جائے گی
اِدھر ایک ہم اور زمانہ اُدھر یہ بازی تو سو بدے ہر جائے گی
بناوٹ کی شیخی نہیں رہتی شیخ! یہ عزت تو جائے گی پر جائے گی
نہ پوری ہوئی ہیں اُمیدیں نہ ہوں یونہیں عمر ساری گزر جائے گی
سُنیں گے نہ حالی کی کب تک صدا
یہی ایک دن کام کر جائے گی

سلف کی دیکھ رکھو راستی اور راست اخلاقی کہ ان کے دیکھنے والے ابھی کچھ لوگ ہیں باقی
نہیں خالی ضرر سے وحشیوں کی لوٹ بھی لیکن خدا کی لوٹ ہی جو لوٹ ہے علمی و اخلاقی
نہ گل چھوڑے نہ برگ و بار چھوڑے تو نے گلشن میں یہ گلچینی ہے یا الٹس ہے گلچیں یا ہے قزاقی
کمال کفش دوزی علم افلاطوں سے بہتر ہے یہ وہ حکمت ہے سیکھے جس کو مشائی نہ اشراقی
وہی دانائی آخر غالب آ کر پیشوائی پر گئے چین ہاں سب چینی و فرغانی و قبچاقی
ہمارے ظرف ہی انعام کے قابل نہیں ورنہ لنڈھائے خم پہ خم غیروں پہ کیوں ممسک ہے ساقی

مدارج کوشش و تدبیر کے سب چکے حالی
لطیفہ رہ گیا ہے دیکھنا اک غیب کا باقی

اہلِ معنی کو ہے لازم سخن آرائی بھی — بزم میں اہلِ نظر بھی ہیں تماشائی بھی
اپنے اور غیر کے حق تک نہیں کچھ بحث تمیز — دیں میں شہری بھی ہیں کچھ ہی ہیں صحرائی بھی
آنکھ سب ایک ہی رکھتے ہیں اور ایک نظر ہی — اس میں ہیں مسلم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
جو چھپاتے ہیں حق اندیشۂ رسوائی سے — کھاتے ہیں اُن کے لگی بیٹھی ہے رسوائی بھی
دوست گر بھائی نہ ہو دوست ہے تو بھی لیکن — بھائی گر دوست نہیں تو نہیں کچھ بھائی بھی
اے غمِ دوست[1] تجھی پر نہیں اپنی گذران — کچھ فتوح اُس کے سوا اور ہیں بالائی بھی
دلِ غنی رکھتے ہیں اے دولتِ دنیا جو لوگ — تیور اُن کے کبھی تو دیکھ کے شرمائی بھی
عقل ہے اپنی حماقت کے چھپانے کی انیس — جن میں کچھ ساتھ حماقت کے ہے خود رائی بھی
عقل اور حسن پہ جن کے ہیں صریحی ہیں گواہ — اُنکو خود رائی بھی پھبتی ہے خود آرائی بھی
چلنے دے گی نہ اجل تم سے ہمیں جی بھر کر — فرصت اے دوستو دنیا سے اگر پائی بھی

جی گئے ہم - پہ رہے مُردوں[2] سے بدتر حالی
دیکھ لی، ہم نے طبیبوں کی مسیحائی بھی

مراحل کے زاہد کا زہد ریائی — چھپائی بہت بات پر بن نہ آئی
برائی ہے رندوں میں بھی شیخ لیکن — کہاں یہ برائی کہاں وہ برائی

---

[1] یعنی غمِ دنیا و وطن و فرزند وغیرہ ۱۲ [2] اپنے دائم المرض ہونے کی طرف اشارہ ہے ۱۲

گنہ ہوں سے بچنے کی صورت نہیں جب ‏‏‏   عبادت میں کیوں جان ناحق کھپائی
رکا ہاتھ جب، بن گئے پارسا تم   نہیں پارسائی یہ ہے نارسائی
بڑا آپ کو وہ سمجھتا ہے ہم سے   سوا اس کے منعم میں کیا ہے بڑائی
جو کہیے تو جھوٹی جو سنیے تو سچی   خوشامد بھی ہم نے عجب چیز پائی
ہوئی تم کو پیری میں قدر جوانی   سمجھ ہم کو آئی پہ ناوقت آئی
وہی جو کہ کرتا ہے رائی کو پربت   وہ پربت کو بھی کر دکھاتا ہے رائی
جوانی میں عاشق تھے اب ہم ہیں ناصح   جو واں دل لگی تھی تو یاں منہ کی کھائی

قیاس آپ پر سب کو کرتے ہو حالی
نہیں اب بھی اچھوں سے خالی خدائی

وصل کا اب بھی دل زار تمنائی ہے   نہ ملاقات ہے جس سے نہ شناسائی ہے
قطع امید نے دل کر دیئے یکسو صد شکر   شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھائی ہے
قوت دست خدائی ہے شکیبائی میں   وقت جب آکے پڑا ہے یہی کام آئی ہے
ڈر نہیں غیر کا۔ جو کچھ ہے سو اپنا ڈر ہے   ہم نے جب کھائی ہے اپنے ہی سے زک کھائی ہے
نشہ میں چور نہ ہوں جھانجھ میں مخمور نہ ہوں   پند یہ پیر خرابات نے فرمائی ہے
نظر آتی نہیں اب دل میں تمنا کوئی   بعد مدت کے تمنا مری بر آئی ہے

بات سچی کہی۔ اور انگلیاں اٹھیں سب کی
سچ میں حالی کوئی رسوائی سی رسوائی ہے

اتنی ہی دشوار اپنے عیب کی پہچان ہے　　جس قدر کرنی ملامت اور کو آسان ہے
سامنا ہے موت کا ہونا محبت سے دوچار　　آئے اس میدان میں زاہد اگر کچھ جان ہے
دیکھ اے بلبل ذرا گلبن کو آنکھیں کھول کر　　پھول میں گر آن ہے کانٹے میں بھی اک شان ہے
عقل پہلی پر نہ سمجھی حرص و آز انسان کی　　لے نہ نام آدمیت کا اگر انسان ہے
چیونٹوں میں اتحاد اور مکھیوں میں اتفاق　　آدمی کا آدمی دشمن خدا کی شان ہے
تجھ میں جرأت اے شمع ہے کس برق عالم سوز کی　　جان بلبل سے تجھ پہ پروانہ جو یوں قربان ہے

دل میں حالی کے رہے باقی نہ بس ارمان کچھ
جی میں ہے کچھ اب اگر باقی تو یہ ارمان ہے

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایمان باقی　　رہ گیا کیا ہے جب اٹھ گئے پھر وہ مسلمان باقی
بزم دعوت میں خالی ہوئی ایسی اس وقت　　میزباں جب نہ رہا کوئی نہ مہمان باقی
حق ادا اک نگہ لطف کا ہوگا کیونکر　　دل و دیں لے چکے وہ پھر بھی ہے احسان باقی
ظاہرا درد ہی الفت کا نہیں چارہ پذیر　　ورنہ چھوڑا نہیں ہم نے کوئی درمان باقی

توشہ موجود ہے حالی نہ سواری نہ رفیق
ابھی کرنے ہیں بہت کوچ کے سامان باقی

جب یہ کہتا ہوں کہ بس دنیا پہ اب تف کیجیے　　نفس کہتا ہے ابھی چندے توقف کیجیے
واں رسائی ہے صبا کی اور نہ قاصد کو ہے بار　　اس سے آخر کس طرح پیدا تعارف کیجیے
ضبط کیجیے وہ دل تو ضبط کی طاقت نہیں　　اور کھلا جاتا ہے راز دل اگر اف کیجیے

دوست کے تیور ہیں ہم ہر رنگ میں پہچانتے   بے تکلف ملیے ہم سے یا کہ منت کیجیے
جب کہ عشق آگیا ہے پھر سہل الحصول   شیخ لگتے ہاتھ اب اس پہ بھی تصرف کیجیے
وقت تھا جو کام کا جاتا رہا بیٹھے لئے   چاہیئے اب عمر بھر بیٹھے ندامت کیجیے

توبہ جس شے کی ہے نہیں لک دو دو ہو کا سوال
ہم رکھ دینگے ذرا دم بھر توقف کیجیے

قدر فرمائی کسی نے یہ کبھی عادت کیسی   جان کو ہم سے لگا رکھا ہے یہ نسبت کیسی
جب خزاں ہو گئی آئی تو ہے ہر ایام خزاں   جن کی قسمت میں ہو کلفت انہیں راحت کیسی
بن کے جس کو سمجھے تھے ہم اک بھولا   وہ تو آفت تھی ہمارے لیے الفت کیسی
بیٹھے ہی رہیے نہ فرصت کو آئی قضا آ کے   قید ہستی میں مری جان فراغت کیسی
[illegible] نہیں عشق کی دم بھر فرصت   جن کو کچھ کام نہیں ان کو فرصت کیسی
جو نہیں سمجھتے ہیں آنکھ کا دنیا [illegible]   وہ نہیں جانتے ہوتی ہے مصیبت کیسی
جا کے [illegible] بے گنہی پر کے   ہم کہیں کس سے کہ درپیش ہے حالت کیسی
ہم سے آئی ہے [illegible] کتاب الفت   ہم سے پوچھے کوئی ہوتی ہے محبت کیسی
جبکہ رہتا نہیں قابو میں دل اپنے ناصح   وہی بھی کام نہیں کرتی نصیحت کیسی

نظر آتا تھا یہ پہلے ہی سے حال انجام
یار کی میں بھی کہوں ہے یہ عنایت کیسی

سخت بہتر ہے تن آسانی مری   کفر سے بدتر مسلمانی مری

تھا نہ محتاج سبب عفو کریم | کچھ نہ کام آئی پشیمانی مری
خلد میں بھی گر رہی یہ اشک لغ | ہم سے شاید پریشانی مری
ہے لب تک تہ تک تجھ پہ گزر | دیدہ جا پہنچے ہے ویرانی مری
مانع گلگشت ہے بیدرد ان | ہو سکتی ہے نگہبانی مری
قدر نعمت ہے بقدر انتظار | حشر پر ٹھہری ہے مہمانی مری

خندہ زن ہے اس مسلمانی پہ کفر
جیسی ہے حالی مسلمانی مری

پہنچے بہت سے جسم بھی درمیاں رہے | تک وہ سب لگے اور مہرباں رہے
کیا کیا ہیں راہ میں دیکھیے اذاں بجے ہوئے | ہم میزباں نہیں جو کوئی میہماں رہے
حرماں میں ہاتھ سے نہ دیا رشتۂ امید | اب تک تو ہم جہان میں بہت شادماں رہے
پوچھی گئی نہ بات کہیں پا پر روز صبح تک | ایسے ہی ہم شکستۂ عشق گراں رہے
دیر و حرم کو تیرے نشانوں سے بھر دیا | اپنے رقیب آپ بنے ہم جہاں رہے
دارا و جم کو تیرے گداؤں پہ رشک ہے | نرخ متاع عشق الٰہی گراں رہے

حالی سے مل کے ہو گئے تم افسردہ دل بہت
اگلے سے ولولے وہ اب اسمیں کہاں رہے

کل مدعی کو آپ پہ کیا کیا گماں رہے | بات اسکی کاٹتے رہے اور ہم زباں رہے
یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا | ہم محو نالۂ جرس کارواں رہے

یا کھینچ لائیے دیر سے رندوں کو اہلِ وعظ　　یا آپ بھی ملازمِ پیرِ مغاں رہے

وصلِ مدام سے بھی ہماری بجھی نہ پیاس　　ڈوبے ہم آبِ خضر میں اور نیم جاں رہے

کل کی خبر غلط ہو تو جھوٹے کا روسیاہ　　تم مدعی کے گھر گئے اور میہماں رہے

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام　　کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

حالی کے بعد کوئی نہ ہمدرد پھر ملا
کچھ راز تھے کہ دل میں ہمارے نہاں رہے

حقِ وفا کے جو ہم جتانے لگے　　آپ کچھ کہہ کے مسکرانے لگے

تھا یہاں دل میں طعنِ وصلِ عدو　　عذر اُن کی زباں پہ آنے لگے

ہم کو جینا پڑے گا فرقت میں　　وہ اگر ہمت آزمانے لگے

ڈر ہے میری زباں نہ کھل جائے　　اب وہ باتیں بہت بنانے لگے

جان بچتی نظر نہیں آتی　　غیرِ الفت بہت جتانے لگے

تم کو کرنا پڑے گا عذرِ جفا　　ہم اگر دردِ دل سنانے لگے

سخت مشکل ہے شیوۂ تسلیم　　ہم بھی آخر کو جی چرانے لگے

جی میں ہے لوں رضائے پیرِ مغاں　　قافلے پھر حرم کو جانے لگے

سرِ باطن کو فاش کر یا رب　　اہلِ ظاہر بہت ستانے لگے

وقتِ رخصت تھا سخت حالی پر
ہم بھی بیٹھے تھے جب وہ جانے لگے

حشر تک یاں پھر شکیبا چاہیئے | کب ملیں دلبر سے دیکھا چاہیئے
ہے تجلی بھی نقابِ روئے یار | اُس کو کن آنکھوں سے دیکھا چاہیئے
غیر ممکن ہے نہ ہو تاثیرِ غم | حالِ دل پھر اس کو لکھا چاہیئے
ہے دلِ افگاروں کی دلداری ضرور | گر نہیں اُلفت مدارا چاہیئے
ہے کچھ اک باقی خلش اُمید کی | یہ بھی مٹ جائے تو پھر کیا چاہیئے
دوستوں کی بھی نہ ہو پروا جسے | بے نیازی اُس کی دیکھا چاہیئے
بھا گئے ہیں آپ کے انداز و ناز | کیجیئے اغماض جتنا چاہیئے
شیخ ہے اُن کی نگہ جادو بھری | صحبتِ رنداں سے بچنا چاہیئے

لگ گئی چپ حالیِ رنجور کو
حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیئے

جنوں کارفرما ہوا چاہتا ہے | قدم دشت پیما ہوا چاہتا ہے
دمِ گریہ کس کا تصور ہے دل میں | کہ اشک اشک دریا ہوا چاہتا ہے
خط آنے لگے شکوہ آمیز اُن کے | ملاپ اُن سے گویا ہوا چاہتا ہے
بہت کام لینے تھے جس دل سے ہم کو | وہ صرفِ تمنا ہوا چاہتا ہے
ابھی لینے پائے نہیں دم جہاں میں | اجل کا تقاضا ہوا چاہتا ہے
مجھے کل کے وعدے پہ کرتے ہیں رخصت | کوئی وعدہ پورا ہوا چاہتا ہے
فزوں تر ہے کچھ اِن دنوں فسق و عصیاں | درِ رحمت اب وا ہوا چاہتا ہے

تعلق گر یہی ہے تو رازِ نہانی
کوئی دن میں رسوا ہوا چاہتا ہے

وفا شرطِ الفت ہے لیکن کہاں تک
دل اپنا بھی تجھ سا ہوا چاہتا ہے

بہت حظ اٹھاتا ہے دل تجھ سے مل کر
تلق دیکھیے کیا ہوا چاہتا ہے

غمِ رشک کو تلخ سمجھے تھے ہمدم
سو وہ بھی گوارا ہوا چاہتا ہے

بہت چین سے دن گزرتے ہیں حالی
کوئی فتنہ برپا ہوا چاہتا ہے

جس کو سمجھے ہیں لگاوٹ کی ادا یاد رہے
آج دل لے گا اگر کل نہ لیا یاد رہے

شوق پڑھتا گیا جب ہوش نہ تھا تیرا نام
یہ سبق وہ ہے کہ بچپن سے ہمیں یاد رہے

ہم بھی آدابِ شریعت سے ہیں آگاہ مگر
نہ ہو برتاؤ میں جو رسم وہ کیا یاد رہے

یاد آؤ گے بہت لطف سمجھ بیٹھے
اس عصیاں کا ہے انجام برا یاد رہے

شیخ یاں شرمِ گنہ شوق بھلا دیتا ہے
توبہ ان کی ہے جنہیں اپنی خطا یاد رہے

وادیِ عشق میں موسیٰ کو ہو گر رخصتِ دید
ہاتھ اٹھائیں جو پھر کفش و عصا یاد رہے

خضر نے پاؤں اگر دشتِ فنا میں رکھا
بھول جائیں گے رہِ آبِ بقا یاد رہے

دل پہ یوں طرح لگا عشقِ بتاں نے شیخ
دین پڑا پائیں اگر آپ کے خدا یاد رہے

چارہ گر! کار باندازۂ تدبیر نہیں
کیجیو ہمت اگر وقتِ دعا یاد رہے

ابھی جانا نہیں حالی نے کہ کیا چیز ہیں وہ
حضرت اس لطف کا پائیں گے مزا یاد رہے

ملنے کی جو نہ کرنی تھی تدبیر کر چکے
آخر کو ہم حوالۂ تقدیر کر چکے

افسونِ شبِ وصال کے واں کارگر نہیں
نالے شبِ فراق کے تاثیر کر چکے

اے دل اب آزمائشِ تقدیر کا ہے وقت
وہ امتحانِ بُرّشِ شمشیر کر چکے

کہتے ہیں طبعِ دوست شکایت پسند ہے
ہم شکوہ ہائے غیر بھی تحریر کر چکے

بھولے رہے تصورِ مژگاں میں چند روز
دیکھا تو دل کو ہم ہدفِ تیر کر چکے

جان لب تک انتظار میں آتی ہے بار بار
مشاطہ جلد ترکہیں تقریر کر چکے

دل لیکے ایک یار یہ فارغ ہوئے ہیں وہ
گویا کہ اک جہان کو تسخیر کر چکے

حالی! اب آؤ پیروی مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر کر چکے

نہ واں پرسش نہ یاں تابِ سخن ہے
محبت ہے کہ دل میں موجزن ہے

بہت لگتا ہے دل صحبت میں اُس کی
وہ اپنی ذات سے اک انجمن ہے

بناوٹ سے نہیں خالی کوئی بات
مگر ہر بات میں اک سادہ پن ہے

عدو سے بات محفل میں نہ کرنی
جو سچ پوچھو تو جائے سوءظن ہے

بہت دل ہیں ترے عاشق کو درکار
تری جو بات ہے وہ دل شکن ہے

دلاتی ہے صبا کس کو چمن یاد
نہ میں بلبل نہ گھر میرا چمن ہے

کروں تجھ سے بیاں کچھ دردِ غربت
مگر جوششِ سخن زہرِ دہن ہے

رہے لاہور میں آکر سو جانے
یہی دنیا ہے جو دار المحن ہے

نہیں آتی کہیں یاں بوئے یوسفؑ — مگر جو گھر ہے وہ بیت الحزن ہے
یہاں بیگانگی ہے اس قدر عام — کہ بلبل ناشناسائے چمن ہے
نہ کچھ مجنوں کو ہے پروائے لیلیٰ — نہ کچھ شیریں کو دردِ کوہکن ہے
مجھے تنہا نہ سمجھیں اہلِ لاہور[۱] — تصور میں مرے اک انجمن ہے
مری خلوت میں ہے ہنگامۂ بزم — خموشی میں مری ذوقِ سخن ہے
بتاؤں تم کو ہوں کس باغ کا پھول! — جہاں ہر گل بجائے خود چمن ہے
بتاؤں تم کو ہوں کس مصر کی بو! — جہاں غربت وطن پر خندہ زن ہے
عدم کی راہ کٹ جاتی کبھی کی — مگر یادِ عزیزاں راہزن ہے
نہ لینے دے گا جنت میں بھی آرام — یہی گر جذبۂ حبِ وطن ہے
گریں نظروں سے سب باتیں پرانی — مگر الفت کہ اک رسمِ کہن ہے
بھلا حالی اور الفت سے ہو خالی! — یہ سب تم صاحبوں کا حسنِ ظن ہے

کیا ہے اُس نے کہتے ہیں سخن ترک
مگر ہم کو ابھی اس میں سخن ہے

۱؎ یہ غزل تقریباً ۱۸۷۴ء میں اس وقت لکھی گئی تھی جبکہ اوّل ہی اوّل بتقریبِ ملازمت دلّی چھوڑ کر لاہور جانا پڑا تھا اُس وقت اوّل تو دلّی سے جدا ہونا ہی سخت شاق گذرا تھا دوسرے لاہور میں کسی سے جان پہچان نہ تھی وہاں پہنچتے ہی نہایت سخت وبا آئی اور وباے ہیضہ کے بعد مدّت تک چیچک اور بخار کا زور شور رہا۔ آخرکار راقم بھی سخت بیمار ہو گیا اُس تنہائی اور پریشانی و غم و اندوہ کی حالت میں یہ اشعار لکھے گئے تھے ۱۲

دعویٰ[1] تم تھی اپنی پارسائی کی — کی بھی اور کس سے آشنائی کی
کیوں بڑھاتے ہو اختلاط بہت — ہم کو طاقت نہیں جدائی کی
منہ کہاں تک چھپاؤ گے ہم سے — تم کو عادت ہے خودنمائی کی
لاگ میں ہیں لگاؤ کی باتیں — صلح میں چھیڑ ہے لڑائی کی
ملتے غیروں سے ہو ملو لیکن — ہم سے باتیں کرو صفائی کی
دل رہا پائے بند الفت دام — تھی عبث آرزو رہائی کی
دل بھی پہلو میں ہو تو یاں کس سے — رکھیے امید دلربائی کی
شہر و دریا سے باغ و صحرا سے — بو نہیں آتی آشنائی کی
نہ ملا کوئی غارت ایماں — رہ گئی شرم پارسائی کی
بخت ہمداستان شیدا[2] — تو نے آخر کو پارسائی کی
صحبت گاہ گاہی رشکی[3] — تو نے بھی ہم سے بیوفائی کی
موت کی طرح جس سے ڈرتے تھے — ساعت آ پہنچی اس جدائی کی

زندہ پھرنے کی ہے ہوس حالی
انتہا ہے یہ بے حیائی کی

---

[1] یہ غزل بھی لاہور میں اسی وقت لکھی گئی تھی۔ جبکہ غزل سابق لکھی گئی تھی آخر کے اشعار میں ان کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے ۱۲

[2] شیدا سے مراد منشی کرم اللہ خان صاحب دہلوی ہیں کہ اس زمانہ میں کبھی کبھی فکر شعر کرتے تھے اور شیدا تخلص کرتے تھے ۱۲

[3] رشکی آنریبل نواب محمد علی خان بہادر رئیس جہانگیر آباد کا تخلص ہے ۱۲

کر دیا خوگرِ جفا تو نے — خوب ڈالی تھی ابتدا تو نے
دور پہونچی تھی اپنی آزادی — پر خدا جانے کیا کیا تو نے
کیوں نہ آئیں گے یاں شانے ہمدم — بن سُنا میں نے اور کہا تو نے
گوش و لب ساتھ لائے تھے ہم آج — نہ کہا اور نہ کچھ سنا تو نے
صبر کا ہے بہت بڑا انجام — ہم کو سمجھا ہے دل میں کیا تو نے
ابتدائے وفا ہے سر دینا — میری دیکھی نہ انتہا تو نے
دل سے قاصد بنا کے وعدۂ وصل — اور کھو یا رہا سہا تو نے
ایک عالم کو خوش کیا اے رشک — ہم کو کس سے خفا کیا تو نے

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سُنا تو نے

کر کے بیمار دی دوا تو نے — جان سے پہلے دِل لیا تو نے
رہرو تشنہ لب، نہ گھبرانا — اب لیا چشمۂ بقا تو نے
شیخ جب دل ہی دیر میں لگا — آ کے مسجد سے کیا لیا تو نے
دور ہو اے دِلِ مآل اندیش — کھو دیا عمر کا مزا تو نے
ایک بیگانہ وار کر کے نگاہ — کیا کیا چشم آشنا تو نے
دل و دیں کھو کے آئے تھے سوئے دیر — یاں بھی سب کچھ دیا خدا تو نے
خوش ہے امیدِ غلبہ حالی — کوئی پوچھے کہ کیا کیا تو نے

دل کو درد آشنا کیا تو نے ق درد دل کو دوا کیا تو نے
طبع انساں کو دی سرشت وفا خاک کو کیمیا کیا تو نے
وصلِ جاناں محال ٹھہرایا قتل عاشق روا کیا تو نے
تھا نہ جز غم بساطِ عاشق میں غم کو راحت فزا کیا تو نے
جان تھی اک وبال فرقت میں شوق کو جاں گزا کیا تو نے
تھی محبت میں ننگ منتِ غیر جذب دل کو رسا کیا تو نے
راہ زاہد کو جب کہیں نہ ملی قطعہ درِ میخانہ وا کیا تو نے
قطع ہوتے ہی جب لگا پیوند غیر کو آشنا کیا تو نے
تھی جہاں کارواں کو دینی راہ عشق کو رہنما کیا تو نے
ناؤ بھر کر جہاں ڈبونی تھی عقل کو ناخدا کیا تو نے
بڑھ گئی جب پدر کو مہرِ پسر[1] اس کو اس سے جدا کیا تو نے
جب ہوا ملک و مال رہزنِ ہوش بادشہ کو گدا کیا تو نے
جب ملی کام جاں کو لذتِ درد درد کو بے دوا کیا تو نے
جب دیا راہرو کو ذوقِ طلب سعی کو نارسا کیا تو نے
پردۂ چشم تھے حجاب بہت حسن کو خود نما کیا تو نے

---

[1] اس شعر میں پدر و پسر کا اشارہ حضرت یعقوبؑ و یوسف علیہم السلام کی طرف اور اگلے شعر میں بادشاہ سے مراد ابراہیم ابن ادہم رحمۃ ہیں ۱۲ +

عشق کو تاب انتظار نہ تھی
غرفہ اِک دِل میں وا کیا تو نے

حرم آباد اور دیر خراب
جو کیا سب بجا کیا تو نے

سخت افسردہ طبع تھی احباب
ہم کو جادو نوا کیا تو نے

پھر جو دیکھا تو کچھ نہ تھا یارب
کون پوچھے کہ کیا کیا تو نے

حالی اُٹھا ہلا کے محفل کو
آخر اپنا کہا کیا تو نے

رباعیات

توحید

کانٹا ہے ہر اک جگر میں اٹکا تیرا — حلقہ ہے ہر اک گوش میں لٹکا تیرا
مانا نہیں جس نے تجھکو۔ جانا ہے ضرور — بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا

ایضاً

ہندو نے صنم میں جلوا پایا تیرا — آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے — انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

ایضاً

طوفان میں ہے جب جہاز چکر کھاتا — جب قافلہ وادی میں ہے سر ٹکراتا
اسباب کا آسرا ہے جب اٹھ جاتا — واں تیرے سوا کوئی نہیں یاد آتا

ایضاً

جب لیتے ہیں گھیر تیری قدرت کے ظہور — منکر بھی پکار اٹھتے ہیں تجھ کو ضرور
خفاش کو ظلمت کی نہ سوجھی کوئی راہ — خورشید کا شش جہت میں پھیلا جب نور

ایضاً

جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے — دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے

ممکن ہے کہ سکھ میں بھول جائیں اطفال   لیکن انہیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے

توحید

مٹی سے ہوا سے۔ آتش و آب سے یاں   کیا کیا نہ ہوئے بشر پہ اسرار عیاں
پر تیرے خزانے ہیں ازل سے ابتک   گنجینۂ غیب میں اُسی[1] طرح نہاں

ایضاً

ہستی سے ہے تیری رنگ و بو سب کے لئے   طاعت میں ہے تیری آبرو سب کے لئے
ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور   سب اپنے لئے ہیں اور تو سب کے لئے

ایضاً

کیا ہوگی دلیل تجھ پہ اور اس سے زیاد   دُنیا میں نہیں ہے ایک دل جو کہ ہو شاد
پر۔ جو کہ ہیں تجھ سے لو لگائے بیٹھے   رہتے ہیں ہر ایک رنج و غم سے آزاد

نعت

زہاد کو تو نے محو تمجید کیا   عشاق کو مست لذت دید کیا
طاعت میں بہانہ حق کے ساجھی کوئی   توحید کو تو نے آکے توحید کیا

ایضاً

بطحائے عرب کو محترم تو نے کیا   اور اُمیوں کو خیر امم تو نے کیا
اسلام نے ایک کردیا روم و تتار   بچھڑے ہوئے گلہ کو بہم تو نے کیا

---

[1] یعنی ابتک جو کچھ ظاہر ہوا ہے وہ مقابلہ اس کے جو خزانہ غیب میں مخفی ہے کان لم یکن ہے ۱۲

نعت

بطحا کو ہوا تیری ولادت سے شرف　　یثرب کو ملا تیری اقامت سے شرف
اولاد ہی کو فخر نہیں کچھ تجھ پر　　آبا کو بھی ہے تیری ابوت سے شرف

صُلح کل

ہندو سے لڑیں نہ گبر سے بیر کریں　　شر سے بچیں اور شر کے عوض خیر کریں
جو کہتے ہیں یہ کہ ہے جہنم دُنیا　　وہ آئیں اور اِس بہشت کی سیر کریں

ترکِ شعرِ عاشقانہ

بُلبل کی چمن میں ہمزبانی چھوڑی　　بزمِ شعرا میں شعر خوانی چھوڑی
جب سے دِل زندہ تو نے ہم کو چھوڑا　　ہم نے بھی تیری رام کہانی چھوڑی

پیرانِ زندہ دِل

خوش رہتے ہیں دکھ میں کامرانوں کی طرح　　ہیں ضعف سے لڑتے پہلوانوں کی طرح
دِل انکے ہیں ظرف انکے جوکہ ہیں تیر　　ہنس بول کے پیری کو جوانوں کی طرح

نیکی اور بدی پاس پاس ہیں

جو لوگ ہیں نیکیوں میں مشہور بہت　　ہوں نیکیوں پر اپنے نہ مغرور بہت
نیکی ہی خود اِک بدی ہے گر ہو نہ خلوص　　نیکی سے بدی نہیں ہے کچھ دور بہت

اِمتحان کا وقت

زاہد کہتا تھا جان ہے دین پر قربان　　پر آیا جب اِمتحان کی زد پر ایمان

کی عرض کسی نے کیجئے اب کیا ہے صلاح — فرمایا کہ بھائی جان ہے جی ہے تو جہان"

عشق

ہے عشق طبیب دِل کے بیماروں کا — یا گھر ہے وہ خود ہزار آزاروں کا
ہم کچھ نہیں جانتے۔ پہ اتنی ہے خبر — اک مشغلہ دلچسپ ہے بیکاروں کا

نیکوں کی جانچ

نیکوں کو نہ ٹھہرائیو بابا ے فرزند — اِک آدھ ادا اُن کی اگر ہو نہ پسند
کچھ نقص انار کی لطافت میں نہیں — ہوں اس میں اگر گلے سڑے دانے چند

دوستوں سے بیجا توقع

تا زیست وہ محو نقش موہوم رہے — جو طالب دوستان معصوم رہے
اصحاب سے بات بات پر جو بگڑے — صحبت کی وہ برکتوں سے محروم رہے

شراب اور جوانی

ہو بادہ کشی پر نہ جوانو مفتون — گردن پہ نہ لو عقل خدا داد کا خون
خود عہد شباب اِک جنون ہے اب تم — کرتے ہو فزوں جنوں پہ اک اور جنون

غرور سب عیبوں سے بدتر ہے

ممکن نہیں یہ کہ ہو بشر عیب سے دور — پر عیب بچئے تا بمقدور ضرور
عیب اپنے گھٹاؤ پہ خبردار رہو — گھٹنے سے کہیں اُنکے نہ بڑھ جائے غرور

گفتار و کردار میں اختلاف

جو کرتے ہیں کچھ۔ زبان سے کہتے ہیں وہ کم
ہوتے نہیں ساتھ جمع۔ دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار
بس اتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

شرطِ قبول

ممکن ہے کہ جوہر کی نہ ہو قدر کہیں
پر قدر کہیں بغیر جوہر کے نہیں
عنبر کو نہ لیں مفت یہ امکان ہے۔ مگر
عنبر کی جگہ نہ لے گا کوئی مہرگیں

طالب کو سوچ سمجھ کر پیر بنانا چاہیئے

ہوں یا نہ ہوں پیر اہلِ عرفان و یقین
پر ڈر ہے کہ طالب نہ ہو ناداں کہیں
گاہک کو ہے احتیاج چار آنکھوں کی
اور ایک کی بھی بیچنے والے کو نہیں

عالم و جاہل میں کیا فرق ہے

ہیں جہل میں سب عالم و جاہل ہمسر
آتا نہیں فرق اس کے سوا ان میں نظر
عالم کو ہے علم اپنی نادانی کا
جاہل کو نہیں جہل کی کچھ اپنے خبر

موجودہ ترقی کا انجام

پوچھا جو کل انجام ترقی بشر
یاروں سے کہا پیر مغاں نے ہنس کر
باقی نہ رہے گا کوئی انسان میں عیب
ہو جائینگے چھل چھلا کے سب عیب ہنر

مسرف کو کیونکر فراغت حاصل ہو سکتی ہے

اک منعم مسرف نے یہ عابد سے کہا
کر میرے لئے حق سے فراغت کی دعا

عابد نے کہا یہ ہاتھ اُٹھا کر سوئے چرخ
محتاج کر اِس کو جلد اے بار خدا

کام کی جلدی

یاں رہنے کی مہلت کوئی کب پاتا ہے
آتا ہے اگر آج - تو کل جاتا ہے
جو کرنے ہیں کام اُن کو جلدی بھگتاؤ
طلبی کا پیام وہ چلا آتا ہے

غرض

ہے نفس میں انسان کے جبلّی یہ مرض
ہر شے پہ ہوتا ہے طلبگار عوض
جو خاص خدا کے لئے تھے کام کئے
دیکھا تو نہاں اُن میں بھی تھی کوئی غرض

انقلاب روزگار

بس بس کے ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں
گڑ گڑ کے علم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اِس کی ہے نوبت تو کل اس کی باری
بن بن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

تقاضائے سن

حالی کو جو کل فسردہ خاطر پایا
پوچھا باعث تو ہنس کے یہ فرمایا
رکھو نہ اب اگلی صحبتوں کی اُمید
وہ وقت گئے اب اور موسم آیا

جس کو زندگانی کا بھروسہ نہیں وہ کوئی بڑا کام نہیں کرسکتا

دُنیائے دنی کو نقش فانی سمجھو
روداد جہاں کو اِک کہانی سمجھو
پر جب کرو آغاز کوئی کام بڑا
ہر سانس کو عمر جاودانی سمجھو

آثارِ زوال

آبا کو زمین و ملک پہ اطمینان
اولاد کو سستی پہ قناعت کا گمان
بچے آوارہ اور بے کار جوان
ہیں ایسے گھرانے کوئی دن کے مہمان

شانِ ادبار

صحرا میں جو پایا اک چٹیل میدان
برسات میں سبزہ کا نہ تھا جس پہ نشان
مایوس تھے جس کے جوتنے سے دہقان
یاد آئی ہیں قوم کے ادبار کی شان

نفاق کی علامت

ہر بزم میں آفرین کے لائق ہونا
شیریں سخنی سے شہد فائق ہونا
ممکن نہیں۔ جبتک کہ نہ ہو دل میں نفاق
آسان نہیں مقبولِ خلائق ہونا

مُسلمانوں کی بے مہری

جبتک کہ نہ ہو دشمنِ اخوان پکا
ہوتا نہیں مومن کا ایمان پکا
ہم قوم کی خیر مانگتے ہیں حق سے
سُنتے ہیں کسی کو جب مُسلمان پکا

مکر و ریا

حالی رہِ راست جو کہ چلتے ہیں سدا
خطرہ اُنہیں گرگ کا نہ ڈر شیروں کا
لیکن اُن بھیڑیوں سے واجب ہے حذر
بھیڑوں کے لباس میں ہیں جو جلوہ نما

جوہرِ قابلیت

ہیں بے ہنروں میں قابلیت کے نشان
پوشیدہ ہیں وحشیوں میں اکثر انسان

عاری ہیں لباسِ تربیت سے ورنہ ہیں طوسی و رازی انہیں شکلوں میں نہاں

علم

اے علم کیا ہے تو نے ملکوں کو نہال غائب ہوا تو جہان سے وہاں آیا زوال
اُن پہ ہوئے غیب کے خزانے مفتوح جن قوموں نے ٹھہرایا تجھے راس المال

ایضاً

اے علم کلیدِ گنجِ شادی تو ہے سرچشمۂ نعما و ایادی تو ہے
آسائشِ دوجہاں ہے سایہ میں ترے دُنیا کا وسیلہ دین کا ہادی تو ہے

ایضاً

ہے تجھ سے نہال جیسی مغرب کی زمیں مشرق کو وہ فیض تجھ سے اے علم نہیں
شاید اے علم ماہِ نخشب کی طرح رہتی ہیں شعاعیں تری محدود وہیں

خاندانی عزت

بیٹا نکلے نہ جب تلک ذلت ہے عزت نہیں اسکو باپ کی عزت سے
سوچو تو ہے کھاتے کا نسب بھی عالی پر اس کو شرف نہیں کچھ اس نسبت سے

عزت کس چیز میں ہے

دولت نے کہا مجھ سے ہی عزت ہے جہان فرمایا ہنر نے ہیں ہمیں عزت کا نشان
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیان میں بھید ہوں حق کا جو نیکی میں نہان

توقع بیجا

ہیں یار رفیق - پر مصیبت میں نہیں
ساتھی ہیں عزیز لیک ذلت میں نہیں

اُس بات کی انسان سے توقع ہی عبث
جو نوع بشر کی خود جبلت میں نہیں

عقل اور دوستی متضاد ہیں

ہے عقل میں جس قدر کمی اور بیشی
اتنی ہی مغائرت ہی یہاں اور خویشی

وہ دوست نہیں جس نے کیا فکر مآل
ضدیں ہیں دوستی و دور اندیشی

عیش و عشرت

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغام بکا ہوتا ہے

جس قوم کو عیش دوست پاتا ہوں میں
کہتا ہوں کہ اب دیکھئے کیا ہوتا ہے

ایضاً

اے عیش و طرب تو نے جہاں راج کیا
سلطان کو گدا غنی کو محتاج کیا

ویران کیا تو نے نینوا اور بابل
بغداد کو قرطبہ کو تاراج کیا

غیبت

معلوم ہے ہر اک بزم کی اب غیبت میں
بد گوئی خلق ہے ہر ایک صحبت میں

اوروں کی برائی ہی پہ ہے فخر دہاں
خوبی کوئی باقی نہیں جس اُمت میں

عشق

اے عشق کیا تو نے گھرانوں کو تباہ
پیروں کو خرف اور جوانوں کو تباہ

دیکھا ہے سدا سلامتی میں تیری — قوموں کو ذلیل۔ خاندانوں کو تباہ

سببِ زوالِ سلطنت

دیکھو جس سلطنت کی حالت درہم — سمجھو کہ وہاں ہے کوئی برکت کا قدم
یا تو کوئی بیگم ہے مشیرِ دولت — یا ہے کوئی مولوی وزیرِ اعظم

دین و دُنیا کا رشتہ

دُنیا کو دیئے دین نے اسرار و حکم — دُنیا نے سکر دین کی تھامی جس دم
گر دین کی ممنون بہت ہے دُنیا — دُنیا کے بھی احسان نہیں دین پہ کم

آزادگانِ راستباز کی تکفیر

یاروں میں نہ پایا جب کوئی عیب گناہ — کافر کیا واعظ نے انہیں اور گمراہ
جھوٹے کو نہیں ملتی شہادت جس وقت — لاتا ہے خدا کو اپنے دعویٰ پہ گواہ

بے پروائی و بے غیرتی

اسباب پہ گر نظمِ جہاں کا ہے مدار — اُس قوم کا چیتنا ہے حالی دشوار
عزت کی نہیں ہے جس کو ہرگز پروا — ذلت سے نہیں ہے جس کو ہرگز کچھ عار

لہ یعنی کفر و ضلالت ایسی چیزیں ہیں جنکا علم خدا کے سوا اور کسی کو نہیں ہو سکتا۔ مثلاً شیخ اکبرؒ کو بعضوں نے صدیق کہا ہی اور بعضوں نے زندیق اور بات کو وہ فی الواقع صدیق تھے یا زندیق خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا بس جس شخص میں کوئی صریح اخلاقی بُرائی یا عیب موجود نہ ہو اُس کی تکفیر یا تذلیل کرنی ایسی بات ہے جیسے کسی جھوٹے مدعی کو شہادت نہ ملے اور وہ اپنے دعویٰ پر خدا کو گواہ قرار دے ۱۲

عفو باوجود قدرتِ انتقام

موسیٰ نے یہ کی عرض کہ اے بارِ خدا مقبول ترا کون ہے بندوں میں سوا
ارشاد ہوا بندہ ہمارا وہ ہے جو لے سکے اور نہ لے بدی کا بدلہ

سختی کا جواب نرمی سے

فتنہ کو جہاں تلک ہو دیجے تسکین زہر اُگلے کوئی تو کیجے باتیں شیریں
غصہ غصے کو اور بھڑکاتا ہے اِس عارضہ کا علاج بالمثل نہیں

ہمت

تیمور نے اِک مورچہ زیرِ دیوار دیکھا کہ چڑھا دانہ کو لیکر سو بار
آخر سرِ بام لے کے پہنچا تو کہا مشکل نہیں کوئی پیشِ ہمت دشوار

کم ہمتی

جبریہ و قدریہ کی بحث و تکرار دیکھا تو نہ تھا کچھ اس کا مذہب پہ مدار
جو کم ہمت تھے ہو گئے وہ مجبور جو باہمت تھے بن گئے وہ مختار

پشیمانی

انجام ہے کفر کی طغیانی کا ثمرہ ہے وہی غفلت و نادانی کا
لذت سے ندامتوں کی جانا ہم نے دوزخ بھی ہے اک نام پشیمانی کا

تأسف بر وفاتِ نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم نیر تخلص دہلوی

قمری ہے نہ طاؤس نہ کبکِ طناز آتے ہی خزاں کے کر گئے سب پرواز

تھی باغ کی یادگار اِک بلبلِ زار ۔۔۔ سو اُس کی بھی کل سے نہیں آتی آواز

ایضاً

غالبؔ ہے نہ شیفتہ نہ نیرؔ باقی ۔۔۔ وحشتؔ ہے نہ سالکؔ ہے نہ انورؔ باقی[1]
حالیؔ اب اسی کو بزمِ یاراں سمجھو ۔۔۔ یاروں کے جو کچھ داغ ہیں دل پر باقی

محنت

محنت ہی کے پھل ہیں یاں ہر اِک دامن میں ۔۔۔ محنت ہی کی برکتیں ہیں ہر خرمن میں
موسیٰؑ کو ملی نہ قوم کی چوپانی ۔۔۔ جب تک نہ چرائیں بکریاں مدین میں

گدائی کی ترغیب

اِک مردِ توانا کو جو سائل پایا ۔۔۔ کی میں نے ملامت اور بہت شرمایا
بولا کہ ہے اس کا ان کی گردن پہ وبال ۔۔۔ دے دے کے جنہوں نے مانگنا سکھلایا

تکفیرِ اہلِ اسلام

کرنا فقہا کا مومنوں کو بے دین ۔۔۔ سُنتے سُنتے یہ ہو گیا ہم کو یقین
مومن سے ضرور ہوگا یہ مرقد میں سوال ۔۔۔ تکفیر بھی کی فقہا نے کہ نہیں!

ترکِ عاشقانہ گوئی

کچھ قوم کی ہم سے سوگواری سُن لو ۔۔۔ کچھ چشمِ جہان میں اپنی خواری سُن لو
افسانۂ قیس و کوہکن یاد نہیں ۔۔۔ چاہو تو کتھا ہم سے ہماری سُن لو

---

[1] یہ ان شعرائے دہلی کے نام ہیں جن کے ساتھ راقم کو ربط و اختصاص رہا ہے عام اس سے کہ وہ معاصر ہوں یا نہ ہوں ۱۲ (حالیؔ)

تنزل اہل اسلام

پستی کا کوئی حد سے گذرنا دیکھے — اسلام کا گر کر نہ ابھرنا دیکھے
مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد — دریا کا ہمارے جو اترنا دیکھے

اول کوشش اور بعد دعا

کوشش میں ہے شرط ابتدا انسان سے — پھر چاہیئے مانگنی مدد یزداں سے
جبتک کہ نہ کام دست و بازو سے لیا — پائی نہ نجات نوح نے طوفاں سے

کام کرنا جان کے ساتھ ہے

ہے جان کے ساتھ کام انسان کیلئے — بنتی نہیں زندگی میں بے کام کئے
جیتے ہو تو کچھ کیجئے زندوں کی طرح — مردوں کی طرح جیئے تو کیا خاک جیئے

جھوٹی نمائش

ہیں جھوٹ کے بیچ میں سب بننے والے — بننے والوں سے کم ہیں ہونے والے
گھڑیاں رہتی ہیں جن جیبوں میں مدام — اکثر ہیں وہی وقت کے کھونے والے

چند عیب بہت سی خوبیوں کو نہیں مٹا سکتے

موجود ہنر ہوں ذات میں جسکی ہزار — بد ظن نہ ہو۔ عیب اس میں اگر ہوں دو چار
طاؤس کے پائے زشت پر کرکے نظر — کر حسن و جمال کا نہ اس کے انکار

سکوت درویش جاہل

---

۱ یعنی جب تک کہ کشتی نہ بناؤ ۱۲

مصروف جو یوں وظیفہ خوانی میں ہیں آپ
غیر اپنی سمجھے بے زبانی میں ہیں آپ
بولیں کچھ منھ سے یا نہ بولیں حضرت
معلوم ہے ہم کو جتنے پانی میں ہیں آپ

ملحدوں کا طعن مسلمانوں پر

کہتا تھا کل اک منکر قرآن و خبر
کیا لیں گے یہ اہل قبلہ باہم لڑ کر
کچھ دم ہے تو میدان میں آئیں ورنہ
کتا بھی ہے شیر اپنی گلی کے اندر

دہری کا الزام گور پرست پر

اِک گور پرست نے یہ دہری سے کہا
ہوگا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر
اِس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں ہوں خدا

دانا کا حال نادانوں میں

کیا فرق؟ سماعت نہ ہو جب کانوں میں
دانائی کی باتوں میں اور افسانوں میں
غربت میں ہے اجنبی مسافر جس طرح
دانا کا بھی یہی حال ہے نادانوں میں

رفارم کی حد

دھونے کی ہے اے رفارمر جا باقی
کپڑے پہ ہے جب تلک کہ دھبا باقی
دھو شوق سے دھبے کو پہ اتنا نہ رگڑ
دھبا رہے کپڑے پہ نہ کپڑا باقی

اپنی تعریف سن کر ناک چڑھانا

تعریف سے کھِل جاتے ہیں ناداں فی الفور
داناؤں کے لیکن نہیں ہرگز یہ طور
ہوتے ہیں بہت وہ مدح سن کر ناخوش
مقصود یہ ہے کہ ہو ستایش کچھ اور

حسنِ ظن اصل حال نہیں کھُلنے دیتا

صوفی کو کسی نے آزمایا ہی نہیں
نیکی میں شک اس کی کوئی لایا ہی نہیں
ہو سکتا ہے رائج ہیں بھی شاید کچھ کھوٹ
پر اس کو کسی نے یاں تپایا ہی نہیں

دینداروں کی برائیاں دین کو عیب لگاتی ہیں

پاتے ہیں زبون جو حالِ اہلِ اسلام
اسلام پہ طعنہ زن ہیں اقوام تمام
بد پرہیزی سے بگڑے اپنی بیمار
اور مفت میں ہو گیا مسیحا بدنام

فکرِ عقبیٰ

منزل ہے بعید۔ باندھ لو زادِ سفر
مواج ہے بحر۔ رکھو کشتی کی خبر
گاہک چوکس ہے۔ بیچو مال کھرا
ہلکا کر دو بوجھ ہے کٹھن رہگذر

انسان کی حقیقت

ممکن ہے کہ ہو جائے فرشتہ انسان
ممکن ہے۔ بدی کا نہ رہے اس میں نشان
ممکن تو ہے سب کچھ پہ حقیقت یہ ہے
انسان ہے ابتک وہی قرنِ الشیطان

سلاطین کا عشق

ہر چند برا ہے عشق کا سب کے مآل
پر حق میں ہے شاہوں کے خصوصاً بدفال
سلطان ہے اگر ظلِ الٰہی۔ تو عشق
ہے ظلِ الٰہی کے لئے وقتِ زوال

وقت کی مساعدت

اے وقت بگاڑ کا ہے سب کے چارہ
پر تجھ سے۔ بگڑنے کا نہیں ہے یارا

ہو جائے گر ایک تو ہمارا ساتھی　　پھر غم نہیں پھر جائے زمانہ سارا

بڑھاپے میں موت کے لئے تیار رہنا چاہیئے

کی طاعت نفس میں بہت عمر بسر　　انجام کی رکھی نہ جوانی میں خبر
کیفیت سب اُٹھا چکے اب حالی　　مجلس کرو برخاست ہوا وقت سحر

دولت میں ثابت قدم رہنا بہت مشکل ہے

ڈریئے کہ پڑے نہ ہاتھ دل سے دھونا　　زردار ذرا سوچ سمجھ کر ہونا
جس طرح کہ سونے کی کسوٹی ہے محک　　ہے جوہر انسان کی کسوٹی سونا

حد سے زیادہ غصہ قابل عفو ہے

غصہ پہ کسی کے غصہ آتا ہے وہیں　　جب تک کہ رہے وہ عقل و دانش کے قریں
آپے سے جب اپنے ہو گیا تو باہر　　پھر کس سے ہوں آزردہ کہ تو تو ہی نہیں

سفہا کی مدح و ذم

کرتے ہیں سفیہ اگر مذمت تیری　　کر شکر کہ ثابت ہوئی عصمت تیری
پر مدح کریں گر (نصیب اعدا)　　رکھ یاد کہ اچھی نہیں حالت تیری

مرض پیری لاعلاج ہے

اب ضعف کے پنجہ سے نکلنا معلوم　　پیری کا جوانی سے بدلنا معلوم
کھینی ہے وہ چیز جس کا پانا ہے محال　　آتا ہے وہ وقت جس کا ٹلنا معلوم

اِسراف

مسرف نہ بس اپنے حق میں کانٹے بوئیں
نعمت نہ خدا کی رائیگاں یوں کھوئیں
گر بخل پہ لوگ اُن کے ہنسیں بہتر ہے
اِس سے کہ فضولیوں پہ اُن کی روئیں

ردِ سوال

یہ سچ ہے کہ مانگنا خطا ہے نہ صواب
زیبا نہیں سائل پہ مگر قہر و عتاب
بدتر ہے ہزار بار اے دوں ہمت
سائل کے سوال سے ترا تلخ جواب

کھانا بغیر بھوک کے مزا نہیں دیتا

کھانے تو بہت میسر آئے ہیں ہمیں
جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہمیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک
جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہمیں

علم و عمل کا سرمایہ مال و دولت سے بہتر ہے

چھوڑو کہیں جلد مال و دولت کا خیال
مہمان کوئی دن کے ہیں دولت ہو کہ مال
سرمایہ کرو وہ جمع جس کو نہ کبھی
اندیشۂ فوت ہو نہ ہو خوفِ زوال

اچھوں کو بُرا سُننے میں بھی مزہ آتا ہے

رکھتے نہیں وہ مدح و ثنا کی پروا
جو کر کے بھلا خلق سے سُنتے ہیں بُرا
اِن گالیوں کا ہے جن کو چسکا حالی
آتا نہیں اُن کو کچھ دُعاؤں میں مزا

شکریہ[1] مدح کلام راقم

جوشِ خمِ بادہ جب خمخانہ میں ہوا
پھر ولولہ پیدا دلِ حالی میں ہوا

---

[1] حاشیہ ۱۴۸ پر ملاحظہ کیجیے ۱۲

تسلیم نے دی کچھ اس طرح داد سخن　　مجکو بھی شک اپنی بے کمالی میں ہوا

احسان بے منت

احسان کے ہے گر صلہ کی خواہش تم کو　　تو اس سے یہ بہتر ہے احسان نہ کرو
کرتے ہو گر احسان تو کردو اسے عام　　اتنا کہ جہاں میں کوئی ممنون نہ ہو

قانون بد اخلاقی سے مانع نہیں ہوتے

قانون ہیں بیشتر یقیناً بے کار　　حاشا کہ ہو ان پہ نظم عالم کا مدار
جو نیک ہیں ان کو نہیں حاجت انکی　　اور بد نہیں بنتے نیک اِن سے زنہار

مخالفت کا جواب خاموشی سے بہتر نہیں

حق [illegible] کہیں　　بھڑکے گی مدافعت سے اور یہ آتشِ کین
گر چاہتے ہو کہ چپ رہیں اہلِ خلاف　　جز ترک جواب کوئی تدبیر نہیں

ٹیکس

واعظ نے کہا کہ وقت سب جاتے ہیں ٹل　　اِک وقت سے اپنے تو نہیں ٹلتی اجل
کی عرض یہ اک سیٹھ نے اٹھکر کہ حضور　　ہے ٹیکس کا وقت بھی اسی طرح اٹل

اِنسان اپنے عیب اپنے سے بھی چھپاتا ہے

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں　　اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

حاشیہ متعلق صفحہ ۱۴۷

ا مولوی سلیم الدین مرحوم نارنولی مقیم جیپور متخلص بہ تسلیم نے قطعے اُردو اور فارسی کے اِتم کے کلام کی ستایش میں اسوقت بھیجے تھے جبکہ مدت سے فکر شعر کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اِن قطعوں کے جواب میں یہ رباعی لکھی گئی تھی"۱۲

بس مجھکو ہی معلوم ہے جیسا ہوں میں
اپنے سے بھی عیب ہوں چھپاتا اپنے

بڑھاپے میں عاشقی کا دم بھرنا

دل دیتے ہیں پر جی سے گذرتے نہیں یوں
آہیں پیری میں شیخ! بھرتے نہیں یوں
جو جیتے ہیں اس طرح وہ مرتے نہیں یوں
سنتے تم تو ہر اک قصے سے آزاد سدا

واعظوں کی سخت کلامی

واعظ نے ترشی سے کیا اس سے کلام
اک گبر نے پوچھے جو اُصول اسلام
ایسی ملت اور ایسے مذہب کو سلام
ہوتا کہ حضور مقتدا ہوں جس کے

نواب وقار الامرا اقبال الدولہ بہادر کی شان میں

اقبال پہ جب سے فتح یابی چاہی
توفیق[1] نے اُس کی چھوڑ دی ہمراہی
ہے جن کی رگوں میں خون آصفجاہی
حالی لے جائے کون بازی ان سے

---

[1] یہ رباعی سنہ ۱۳۱۱ھ میں جبکہ راقم حیدرآباد میں مقیم تھا۔ اور نواب وقار الامرا بمبئی سے پولو میں بازی جیت کر آئے تھے کہی تھی۔ مگر ان کی خدمت میں بھیجی نہیں گئی۔ خون آصف جاہی میں اس بات کا اشارہ ہے کہ حضور سے قرابت قریبہ رکھتے ہیں اور اقبال کے لفظ میں ان کے خطاب کی طرف اشارہ ہے ۱۲

رباعیات قدیم

ہر عیب کی خو ہو یا کہ ہنر کی عادت مشکل سے بدلتی ہے بشر کی عادت
چھٹتے ہی چھٹے گا اس گلی میں جانا عادت اور وہ بھی عمر بھر کی عادت ۱

مرنے پہ وہ اور زور سے ہنس دینگے جب یاد کرینگے مجھے تب رو دینگے
الفت پہ وفا پہ جان نثاری پہ مری آگے نہیں روتے تھے تو اب رو دینگے

فرقت میں بشر کی رات کیونکر گذرے اک خستہ جگر کی رات کیونکر گذرے
گذری نہ ہو جس بغیر یاں اک گھڑی یہ چار پہر کی رات کیونکر گذرے

یاد اس کی ہمیں ورد مدام اپنا ہے خالی نہ ہوا کبھی وہ جام اپنا ہے
اس طرح نہ لیجئے کہ ہے نام اس کا کس طرح نہ سمجھیے کہ کام اپنا ہے

کیا پاس تھا قول حق کا ماشاءاللہ تھا تشنہ پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
ہیں اور اطاعت یزید گمراہ !!! لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حر کہتا تھا کہ دل شہ ذیجاہ سے مل گمراہ نہ ہو جہ حق آگاہ سے مل
برگشتگی کب سے ضلالت کب تک ؟ اللہ سے ملنا ہے تو چل شاہ سے مل

گر کفر میں فرعون کا ثانی نکلا اک شام میں بیداد کا بانی نکلا
سمجھا تھا نہ تھا بحر غفلت کی یزید واں نیل سے بھی زیادہ پانی نکلا

قصیدے، ترکیب بند، مسدس اور چند قطعے مختلف مضامین پر بہ ترتیب اوقات تحریر

۱۔ قصیدۂ نعتیہ[1]

بنے ہیں مدحتِ سلطانِ دوجہاں کیلئے　　سخن زبان کیلئے اور زبان دہاں کے لئے
وہ شاہ جس کا عدو جیتے جی جہنم میں　　عداوت اُس کی عذابِ الیم جاں کے لئے
وہ شاہ جس کا محبّ امن و عافیت میں مدام　　محبت اُس کی حصارِ حصینِ اماں کے لئے
وہ چاند جس سے ہوئی ظلمتِ جہاں معدوم　　رہا نہ تفرقۂ روز و شب زماں کے لئے
وہ پھول جس سے ہوئی سعیِ باغباں مشکور　　رہی نہ آمد و رفتِ چمن خزاں کے لئے
ہلال مکہ کا ماہِ دو ہفتہ یثرب کا　　فروغ قوم کے۔ اور شمع دودماں کے لئے
گھر اس کا موردِ قرآں مہبطِ جبرئیل　　در اُس کا کعبۂ مقصود انس و جاں کے لئے
سپہر گرمِ طواف اُس کی بارگاہ کے گرد　　زمین سر بسجود اُس کے آستاں کے لئے
وہ لحظہ لحظہ تفقد۔ وہ دمبدم الطاف　　رضائے خاطرِ یارانِ جانفشاں کے لئے

---

[1] یہ قصیدہ سنہ ۱۲۸۰ یا سنہ ۱۲۸۲ ہجری کا لکھا ہے۔ اس سے پہلے نعت میں کبھی کچھ نہیں لکھا گیا۔ اس کو اپنی قدیم شاعری کا نمونہ سمجھ کر بدستور سابق رہنے دیا ہے۔ کہیں کچھ تصرف نہیں کیا گیا ۱۲

وہ گونہ گونہ مدارا وہ بات بات میں مہر — کشایش گرہ کیں دشمناں کے لئے
گہ افتخار مقابل میں اہل نخوت کے — گہ انکسار مدارات میہماں کے لئے
کہیں ہلاک میں تاخیر قوم سرکش کے — کہیں نماز میں تعجیل ناتواں کے لئے
صفائے قلب حسودانِ کینہ خواہ کیساتھ — دعائے خیر بد اندیش و بدگماں کے لئے
کہیں مقدمۃ الجیش انبیا و رُسل — کہیں وہ خاتمۃ الباب داستاں کے لئے
مدینہ مرجع و ماوائے اہلِ مکہ ہوا — مکیں سے رتبہ یہ حاصل ہوا مکاں کے لئے
اسی شرف کے طلبگار تھے کلیم و مسیح — نوید اُمتِ پیغمبر زماں کے لئے
بس اب نہ غول کا کھٹکا نہ راہزن کا خطر — ہوا وہ قافلہ سالار کارواں کے لئے
شفیع خلق سراسر خدا کی رحمت ہے — بشارت اُمتِ عاصی و ناتواں کے لئے
شفاعتِ نبوی ہے وہ برق عصیاں سوز — کہ حکم خس ہے جہان کفر و جہاں کے لئے
خدا کی ذاتِ کریم اور نبیؐ کا خلقِ عظیم — گنہ کریں تو کریں رخصت انس و جاں کے لئے
اسی کا دین ہے کہ ہے گلشنِ ہمیشہ بہار — وگرنہ ہر گل و گلزار ہے خزاں کے لئے
عبور لجۂ عصیاں سے کس طرح ہو۔ اگر — وہ ناخدا نہ ہو اس بحرِ بیکراں کے لئے
مریض حرص ہو پائے کب شفا۔ جبتک — وہ چارہ گر نہ ہو اس وجع جانستاں کے لئے
نہ حرف و صوت میں وسعت نہ کام ولب میں سکت — حقیقتِ شبِ معراج کے بیاں کے لئے
ارادہ عرش تک اِک آن میں پہونچنے کا — کیا تھا عزم الوالعزم نے کہاں کے لئے
کرم کا دیکھئے دامن کہاں تلک ہو فراخ — ہو میزبان خدا جب کہ میہماں کے لئے

زمیں پہ ٹھیرا ہے ماوائے شاہ عرش نشیں — رہی نہ اب کوئی فوقیت آسماں کے لئے
اسی سے ہوتا ہے ظاہر عیار استعداد — محک ہے حبِ نبیؐ دل کے امتحاں کے لئے
اگر نصیب ہو یثرب میں جا کے شربتِ مرگ — پیوں نہ آبِ بقا عمرِ جاوداں کے لئے
اگر بقیع میں گز بھر زمیں میسر آئے — کروں نہ طولِ امل روضۂ جناں کے لئے
سمایا اس کا جو نقشِ قدم تصور میں — ہجوم شوق میں لپٹے کہاں کہاں کے لئے
حریفِ مدحتِ پیمبر نہیں سخن حالیؔ — کہاں سے لائیے اعجاز اس بیاں کے لئے

نبیؐ کا نام ہو وردِ زباں۔ رہے جبتک
سخن زباں کے لئے اور زباں دہاں کیلئے

۲۔ ترکیب بند۔ مرثیہ سنہ ۱۲۸۵ ہجری

مرثیہ جناب مرزا اسد اللہ خاں مرحوم دہلوی متخلص بہ غالب

کیا کہوں حال دردِ پنہانی — وقت کوتاہ و قصہ طولانی
عیش دُنیا سے ہو گیا دل سرد — دیکھ کر رنگ عالمِ فانی
کچھ نہیں جز طلسمِ خواب و خیال — گوشۂ فقر و بزمِ سلطانی
ہے سراسر فریبِ وہم و گمان — تاجِ فغفور و تختِ خاقانی
بے حقیقت ہے شکلِ موجِ سراب — جامِ جمشید راحِ ریحانی
لفظ مہمل ہے نطق اعرابی — حرفِ باطل ہے عقل یونانی
ایک دھوکا ہے لحنِ داؤدی — اک تماشا ہے حُسنِ کنعانی

نہ کروں تشنگی میں تر لب خشک — چشمۂ خضر کا ہو گر پانی
دوں نہ اِک مشت خاک کے بدلے — گر ملے خاتم سلیمانی

بحرِ ہستی بجز سراب نہیں
چشمۂ زندگی میں آب نہیں

جس سے دُنیا نے آشنائی کی — اس سے آخر کو کج ادائی کی
تجھ پہ بھولے کوئی عبث اے عمر — تو نے کی جس سے بیوفائی کی
ہے زمانہ وفا سے بیگانہ — ہاں قسم مجکو آشنائی کی
یہ وہ مے ہے کہ ہے۔ اِسکی — صلح میں چاشنی لڑائی کی
ہے یہاں حظ وصل سے محروم — جس کو طاقت نہ ہو جدائی کی
ہے یہاں حفظِ وضع سے مایوس — جس کو عادت نہ ہو گدائی کی
خندۂ گل سے بے بقا تر ہے — شان ہو جس میں دلربائی کی
جنس کاسد سے ناروا تر ہے — خوبیاں جس میں ہوں خدائی کی
بات بگڑی رہی سہی افسوس — آج خاقانی و سنائی کی

رشک عرفی و فخر طالب مرد
اسد اللہ خاں غالب مرد

بلبل ہند مر گیا ہیہات — جسکی تھی بات بات میں اِک بات
نکتہ داں نکتہ سنج نکتہ شناس — پاک دل پاک ذات پاک صفات

شیخ اور بذلہ سنج شوخ مزاج	رند اور مرجع کرام و ثقات
لاکھ مضموں اور اسکا ایک ٹھٹول	سو تکلف اور اسکی سیدھی بات
دل میں چبھتا تھا وہ اگر بالفرض	دن کو کہتا تھا دن اور رات کو رات
ہو گیا نقش دل پہ جو لکھا	قلم اسکا تھا اور اس کی دوات
تھیں تو دلی میں اسکی باتیں تھیں	لے چلیں اب وطن کو کیا سوغات
اس کے مرنے سے مر گئی دلی	خواجہ نوشہ تھا اور شہر برات
یاں اگر بزم تھی تو اس کی بزم	یاں اگر ذات تھی تو اسکی ذات
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا	شہر میں اک چراغ تھا نہ رہا
دل کو باتیں جب اسکی یاد آئیں	کس کی باتوں سے دل کو بہلائیں
کس کو جا کر سنائیں شعر و غزل	کس سے داد سخنوری پائیں
مرثیہ اس کا لکھتے ہیں احباب	کس سے اصلاح لیں کدھر جائیں
پست مضموں ہے نوحۂ استاد	کس طرح آسمان پہ پہنچائیں
لوگ کچھ پوچھنے کو آئے ہیں	اہل میت جنازہ ٹھہرائیں
لائیں گے پھر کہاں سے غالب کو	سوئے مدفن ابھی نہ لیجائیں
[illegible]گلوں پہ کیوں نہ دیں ترجیح	اہل انصاف غور فرمائیں
[illegible] صائب و اسیر و کلیم	لوگ جو چاہیں ان کو ٹھہرائیں
ہم نے سب کا کلام دیکھا ہے	ہے ادب شرط منہ نہ کھلوائیں

غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

نثرِ حُسن و جمال کی صُورت — نظمِ غنج و دلال کی صُورت
تہنیّت اِک نشاط کی تصویر — تعزیت اِک ملال کی صُورت
قال اس کا وہ آئینہ جس میں — نظر آتی تھی حال کی صُورت
اُس کی توجیہ سے پکڑتی تھی — شکل امکان محال کی صُورت
اس کی تاویل سے بدلتی تھی — رنگ ہجراں وصال کی صُورت
لطف آغاز سے دکھاتا تھا — سخن اُس کا مآل کی صُورت
چشمِ دوراں سے آج چھپتی ہے — الوریؔ و کمال کی صُورت
لوحِ امکاں سے آج مٹتی ہے — علم و فضل و کمال کی صُورت
دیکھ لو آج پھر نہ دیکھو گے — غالبِ بےمثال کی صُورت

اب نہ دُنیا میں آئیں گے یہ لوگ
کہیں ڈھونڈھے نہ پائیں گے یہ لوگ

شہر میں جو ہے سوگوار ہے آج — اپنا بیگانہ اشکبار ہے آج
نازشِ خلق کا محل نہ رہا — رحلتِ فخرِ روزگار ہے آج
تھا زمانے میں ایک رنگین طبع — رُخصتِ موسمِ بہار ہے آج
بارِ احباب جو اُٹھاتا تھا — دوشِ احباب پر سوار ہے آج

تھی ہر ایک بات نیشتر جسکی　　اُس کی چُپ سے جگر فگار ہے آج

دل میں مُدت سے تھی خلش جسکی　　وہی برچھی جگر کے پار ہے آج

دلِ مُضطر کو کون دے تسکین　　ماتمِ یار غمگسار ہے آج

تلخیِ غم کہی نہیں جاتی　　جانِ شیریں بھی ناگوار ہے آج

کِس کو لاتے ہیں بہرِ دفن کہ قبر　　ہمہ تن چشمِ انتظار ہے آج

غم سے بھرتا نہیں دلِ ناشاد

کِس سے خالی ہوا جہان آباد

نقدِ معنی کا گنجداں نہ رہا　　خوانِ مضمون کا میزباں نہ رہا

ساتھ اِس کے گئی بہارِ سخن　　اب کچھ اندیشۂ خزاں نہ رہا

ہوا اِک ایک کارواں سالار　　کوئی سالارِ کارواں نہ رہا

رونقِ حسن تھا بیان اس کا　　گرم بازارِ گل رخاں نہ رہا

عشق کا نام اُس سے روشن تھا　　قیس فرہاد کا نشاں نہ رہا

ہو چکیں حسن و عشق کی باتیں　　گل و بلبل کا ترجماں نہ رہا

اہلِ ہند اب کریں گے کس پہ ناز　　رشکِ شیراز و اصفہاں نہ رہا

زندہ کیونکر رہے گا نامِ ملوک　　بادشاہوں کا مدح خواں نہ رہا

کوئی ویسا نظر نہیں آتا　　وہ زمین اور وہ آسماں نہ رہا

اُٹھ گیا تھا جو مایہ دارِ سخن　　کِس کو ٹھہرائیں اب مدارِ سخن

کیا ہے جس میں وہ مردِ کار نہ تھا — اک زمانہ کہ سازگار نہ تھا
شاعری کا کیا حق اُس نے ادا — پر کوئی اُس کا حق گذار نہ تھا
بے صلہ مدح و شعر بے تحسین — سخن اس کا کسی پہ بار نہ تھا
نذرِ سائل بھی جان تک لیکن — قطعہ ۱ درخورِ ہمت اقتدار نہ تھا
ملک و دولت سے بہرہ ور نہ ہوا — قطعہ ۲ جان دینے پہ اختیار نہ تھا
خاکساروں سے خاکساری تھی — سربلندوں سے انکسار نہ تھا
لب پہ احباب سے بھی تھا نہ گلا — دل میں اعدا سے بھی غبار نہ تھا
بے ریائی تھی زہد کے بدلے — زہد اُس کا اگر شعار نہ تھا
ایسے پیدا کہاں ہیں مستِ خراب — ہم نے مانا کہ ہوشیار نہ تھا

مظہرِ شانِ حسنِ فطرت تھا
معنیٔ لفظِ آدمیت تھا

کچھ نہیں فرقِ باغ و زنداں میں — آج بلبل نہیں گلستاں میں
شہر سارا بنا ہے بیتِ حزن — ایک یوسف نہیں جو کنعاں میں
مُلک یکسر ہوا ہے بے آئین — اک فلاطوں نہیں جو یوناں میں
ختم تھی اک زبان پہ شیرینی — ڈھونڈھتے کیا ہو شہد و ابا[illegible] میں
حصر تھی اک بیان میں رنگینی — کیا دھرا ہے عقیق و مرجاں میں
لب جادو بیان ہوا خاموش — گوشِ گل وا ہے کیوں گلستاں میں

گوش معنیٰ شنو ہوا بیکار مرغ کیوں نعرہ زن ہے بستاں میں
وہ گیا جس سے بزم روشن تھی شمع جلتی ہے کیوں شبستاں میں
نہ رہا جس سے تھا فروغ نظر سرمہ بنتا ہے کیوں صفاہاں میں

ماہِ کامل میں آ گئی ظلمت
آبِ حیواں پہ چھا گئی ظلمت

ہند میں نام پائے گا اب کون سکہ اپنا بٹھائے گا اب کون
ہم نے جانی ہے اس سے قدرِ سلف اُن پر ایمان لائے گا اب کون
اُس نے سب کو بھلا دیا دل سے اُس کو دل سے بھلائیگا اب کون
تھی کسی کی نہ جس میں گنجائش وہ جگر دل میں پائیگا اب کون
اُس سے ملنے کو یاں ہم آئے تھے جا کے دلّی سے آئیگا اب کون
مر گیا قدر دانِ فہم سخن شعر ہم کو سنائیگا اب کون
مر گیا تشنۂ مذاقِ کلام ہم کو گھر سے بلائیگا اب کون
تھا بساطِ سخن میں شاطر ایک ہم کو چالیں بتائیگا اب کون
شعر میں ناتمام ہے حالی غزل اُس کی بنائیگا اب کون

کم لنا فیہ من بکے وعویل
وعتب مع الزمان طویل

۳- قصیدۂ[1] نعتیہ

میں بھی ہوں حسنِ طبع پر مغرور — مجھ سے اُٹھیں گے اُن کے ناز ضرور
خاک ہوں اور عرش پر ہے دماغ — مجھ سے برتر ہے میری طبع غیور
خاکساری پہ میری کوئی نہ جائے — میرے دل میں بھرا ہوا ہے غرور
نہ گنو اہلِ عصر میں مجھ کو — میں بہت کھینچتا ہوں آپ کو دور
چشمۂ آبِ خضر کے مانند — چشمِ اہلِ جہان سے ہوں مستور
دل سے داد اپنی لے چکا ہوں بہت — مجھکو پرواہ نہیں کہ ہوں مشہور
مثلِ یوسف دکھائے جوہرِ ذات — جس کو بکنا ہو مفت یاں منظور

---

[1] اس قصیدہ کی تمہید ۱۲۷۳ھ یا ۱۲۷۴ھ کے بیانات میں سے ہے یہ وہ زمانہ ہے کہ دلی میں نامور شعرا کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مومن۔ ذوق۔ آزردہ غالب۔ اور شیفتہ ایک کے بعد ایک رخصت ہو چکے ہیں اور میدان بالکل خالی ہے۔ انہیں دنوں سیتارام کے بازار میں ایک مشاعرہ قرار پایا مصرع طرح پر تین غزلیں بڑے دعوے سے لکھیں جن لوگوں کی جا و بیجا تحسین و آفرین سے دماغ میں خلل آگیا تھا اور جن کی داد کی توقع پر وہ غزلیں لکھی تھیں۔ وہ کسی وجہ سے باوجود اصرار کے مشاعرہ میں نہ آئے بیسوا اپنے خریدار کی بے التفاتی سے شاید ایسی کھسیانی نہیں ہوتی جیسا کہ شاعر ان لوگوں کی بے التفاتی سے جن کو وہ سچ مچ اپنے شعر کا قدردان سمجھتا ہے۔ اسی خام خیالی کے جوش میں اس قصیدہ کی فخریہ تمہید لکھی گئی تھی۔ مطلب یہ تھا۔ کہ اگر لوگ ہماری قدر نہیں کرتے تو ہم آپ ہی اپنے منھ میاں مٹھو بنتے ہیں کیونکہ اس زمانہ کے خیالات کے موافق اس بات کا یقین تھا کہ جس طرح آجکل تجارت کی گرم بازاری اشتہارات کے ذریعہ سے ہوتی ہے اسی طرح شاعری بھی منوانے سے مانی جاتی ہے۔ لیکن جب تفاخر حد سے زیادہ بڑھ گیا تو دفعۃً اپنی غلطی پر متنبہ ہوا۔ لہذا قصیدہ کا خاتمہ نعتیہ اشعار پر کیا گیا۔ تاکہ فخر کے لئے ایک وجہ پیدا ہو جائے ۱۲ +

جیسے شہباز ہو قفس میں اسیر ۱ ہوں زمانہ کے ہاتھ سے مجبور
کبک قمری کو رخصتِ پرواز ۲ بال و پر مفت صعوہ و عصفور
جو نہ سمجھے مجھے کہ کیا ہوں میں اس سے شکوہ نہیں کہ ہے معذور
لذتِ مے سے جو نہ ہو آگاہ اُس کو کیا قدر خوشۂ انگور
جس کے آنکھیں نہ ہوں وہ کیا جانے روز روشن ہے یا شب دیجور
پہلے ہوگی کسی کو قدرِ ہنر اُٹھ گیا اب جہان سے دستور
دردِ دل کا بیاں کروں کس سے بات کھونی نہیں مجھے منظور
سخنِ حق کی داد لوں کس سے سُن چکا ہوں فسانہ منصور
دلِ آباد مفت بے ہنراں ہو چکا خانۂ ہنر معمور
مژدہ خسرو کو وصل شیریں کا ہو چکی سعی کوہکن مشکور
ہم نے دیکھی تمیز اہلِ نظر ہم نے دیکھا مذاق اہلِ شعور
ہے غرض ان کو صوت موزوں سے نالۂ دل ہو یا نوائے طیور
ہو کسی شے سے انکی گرمیٔ بزم داستان ہو وہ یا کہ درِ منثور
ہے فقط روشنی سے ان کو کام موم ہو اصل شمع یا کافور
ہے یہاں قائل انا مردود ہو وہ فرعون وقت یا منصور
آپ اپنے سخن سے ہوں محظوظ دلِ اصحاب گو نہ ہو مسرور
یاں اگر کام ہے تو شیریں سے قصر خسرو کے اور ہیں مزدور

دِل احباب پر نہیں چلتا   سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
ہوں تماشائے شہرِ نابینا   ہے برابر مرا خفا و ظہور
ذرِ یکتا ہوں اور ہوں کم آب   ماہِ کامل ہوں اور ہوں بے نور
چشمہ پیدا و کاروان تشنہ   بادہ پر زور وانجمن مخمور
اِس زمانے میں وہ غریب ہیں ہم   جو وطن سے ہو لاکھ منزل دور
صاحب قدر وجاہ ہے جبتک   کارفرما ہے چین میں فغفور
کاش اس عہد میں مجھے پاتے   تھا سخن جب کہ قبلۂ جمہور
کاش واں دیکھتے مجھے کہ جہاں   متنبّی تھا مادحِ کافور
کون سمجھے مجھے کہ ہوں کیا چیز   انوری ہے نہ عرفی و شاپور
کون دیکھے مرے چمن کی بہار   مر گیا عندلیبِ[1] نیشاپور
جس سے ہوتا ہے خستہ سینہ ہوش   ہے زبان میری وہ دمِ ساطور
جس سے ہوتا ہے کور پروانہ   ہے مری شمع میں وہ لمعۂ نور
شرح نقطہ کی گر کروں تحریر   تنگ ہو عرصۂ نقوش و سطور
ترک عشقِ بتاں کریں عشاق   مجھ سے سُن پائیں گر ستائشِ حور
گر کروں ذکرِ لذتِ طاعات   تلخ کردوں مذاقِ فسق و فجور

---

[1] عندلیب نیشاپور سے مراد نظیری ہے۔ لیکن اگر وہ ہوتا تو اِس سے زیادہ اور کیا قدر کرتا جیسا کہ شیخ علی حزیں نے سودا کی نسبت کہا تھا کہ در پوچ گویاں ہند غنیمت ست ۱۲ +

چھیڑ دوں گر فسانۂ فرہاد — دل خسرو میں ڈال دوں ناسور
کرنے جاؤں جو حق سے عذر گناہ — لے کے آؤں نوید عفو قصور
لوں ملائک سے داد حسن کلام — گر لکھوں نعت سرور جمہور
وہ شہنشاہ انبیا جس کا — یاں گنہگار اور واں مغفور
وہ خداوند خدمتی جس کا — یاں سبکسار اور واں ماجور
مژدہ اے امت ضعیف کہ یاں — سعی ہوتی ہے بے کئے مشکور
لب شیریں کلام سے اس کے — دوست بھی شاد غیر بھی مسرور
اثر فیض عام سے اس کے — کعبہ آباد میکدہ معمور
چرخ کو دے اگر وہ حکم سکون — ہو غلط نسخۂ سنین و شہور
صرصر قہر گر چلے اس کی — بند ہو مسلک صبا و دبور
جس طرف ہو وہ گرم نظارہ — جلوہ گر ہو ادھر سے لمعۂ طور
ہو جہاں لطف سے وہ سایہ فگن — موجزن ہو وہاں سے چشمۂ نور
بات پوچھو تو سوئے چرخ نگاہ — سینہ دیکھو تو علم کا گنجور
ہو سکے اس کی خوبیوں کا شمار — نعمتیں حق کی ہوں اگر محصور
اے ترا پایہ فہم سے برتر — اے ترا نام عرش پر مسطور
میں ترے در پہ سن کے آیا ہوں — نام تیرا شفیع روز نشور
کچھ نہیں زاد راہ پاس اپنے — مگر امید عفو رب غفور

طمع غالب ہے اور میں مغلوب　　نفس قاہر ہے اور میں مقہور
بحرِ غفلت میں ہوں سراسر غرق　　نشۂ کبر میں ہوں بالکل چور
چھوڑتی ہی نہیں خودی دامن　　ہوں بہت اپنے ہاتھ سے مجبور
مہرِ فرزند و خواہشِ زر و سیم　　طمعِ جاہ فکرِ عیش و سرور
ایک بیمار اور سو آزار　　ایک رنجور اور سو ناسور
نفسِ امّارہ اور دیو مرید　　یہ ہے افعی تو وہ ہے کلبِ عقور
مجھ سے جو کام چاہیئے لیجئے　　جھوٹ ہو یا فریب ہو یا زور
حسد و بغض و غیبت و بہتان　　بخل و حرص و ہوا و فسق و فجور
ایک جو مجھ سے بن نہیں آتی　　ہے وہ خدمت کہ جس پہ ہوں مامور
دل لگے بندگی میں کیا امکان　　لب ہلے ذکرِ حق میں کیا مذکور
مایۂ عقل ہے نہ شورِ جنون　　دلِ بیتاب ہے نہ جانِ صبور
نہ معاصی میں تلخیِ خجلت　　نہ عبادت میں چاشنیِ حضور
فی المثل ہے مری مسلمانی　　جیسے زنگی کا نام ہو کافور
ہاں مگر کچھ امید بندھتی ہے　　تیرے زمرے میں گر ہوا محشور
جب ترے کارواں میں جا پہنچا　　پھر رہا بابِ خلد کتنی دور
دوریِ آستانِ والا سے　　ہے بہت تنگ حالیِ مہجور
اب دعا یہ ہے اے شفیعِ اُمم　　بسکہ بیتاب ہے دلِ رنجور

جا لگے تیرے در پہ کشتیٔ عمر   جب کروں بحرِ زندگی سے عبور

جیتے جی دل میں یاد ہو تیری

مرتے دم لب پہ ہو ترا مذکور

۴۔ قصیدۂ مدحیہ ناتمام[1]

نواب کلب علی خاں مرحوم رئیس رام پور کی شان میں

ظلِّ حق کلبِ علیخاں جسکے بذل و جود پر   ہند سے لے تا عرب ہیں خاصی و عامی گواہ

صاحبِ علم و عمل اور تابعِ احکامِ دین   زائرِ قبرِ نبی اور حاجیِ بیت الہدیٰ

شاعری میں فرد موسیقی میں فارابیِ عصر   صوت مدح افزا و صورت آیۂ صنعِ خدا

دولتِ برطانیہ پر اُس کی فرزندی کا حق   دولتِ عثمانیہ کو اِس سے پیوندِ ولا

اِسکی ہیبت سے لرزتے ہیں مقرب اور جلیس   اور مروت پر ہیں نازاں مجرم و اہلِ خطا

مرجعِ اربابِ علم و فن ہے اُس کا بابِ فیض   قطعہ   یہ وہ دعویٰ ہے کہ خود دربار ہے اِس کا گواہ

کل زمینِ ہند میں تھے جو درختِ باردار   ۲   اُن کو چن چن کر یہاں لایا چمن بند سخا

گر مناظر ہیں تو ہیں سر دفترِ اہلِ کلام   ۲   اور محدث ہیں تو ہیں سرچشمۂ علم و ہدیٰ

---

[1] یہ قصیدہ ۱۲۹۱ھ میں اس وقت لکھا گیا تھا۔ جبکہ نواب ممدوح علی گڈھ کے مدرسۃ العلوم کا پیٹرن ہونا منظور کر چکے تھے اور بارہ سو روپیہ سال کی جاگیر ہمیشہ کے لئے مدرسہ کے اخراجات کیواسطے اور کئی ہزار روپیہ نقد بطور چندہ کے دے چکے تھے، مگر مصلحۃً اُن کی خدمت میں بھیجا نہیں گیا اور اِسی لئے ناتمام رہا اِس کے اوّل و آخر کے کچھ اشعار ضائع بھی ہو گئے ہیں ۱۲ +

زمرۂ اہلِ یقین یا مجمعِ اہلِ سلوک ۴ نکتہ چینانِ مجسطی یا خردہ گیرانِ شفا

شاعرِ شیریں نفس یا شلو سنجیدہ رائے ۵ فیلسوف و مستدل یا عارفِ علت رُبا

سب بے بدل ہیں الغرض جو روپ ہے اس باغ میں ۶ بلبلِ جادو نوا ہو یا گلِ رنگیں ادا

بہرہ ور ہیں فیض سے تیرے بلاد و دور دست
اے خوشا وہ سرزمیں جس پر ہو تو فرماں روا

بارِ محصولات سے یاں تک ہوئی ہلکی کہ اب
بارِ منت سے ترے پشت رعیت ہے دوتا

خیر تیری ہے حصارِ عافیت تیرے لئے
سیر ہو کر تجھکو دیتے ہیں بہت بھوکے دعا

نعمتیں حق کی نہ سمٹیں گی سمیٹی زینہار
ہر بھلائی کی ملی دہ چند گر تجھ کو جزا

خوانِ نعمت پر ہے تیرے میہمانوں کا ہجوم
نام پھر زندہ ہوا خوانِ خلیل اللہ کا

ہے یقین تجھ پر پڑے اصحابِ محشر کی نگاہ
جب کہیں۔ کس نے کیا حق میزبانی کا ادا

دولت و اقبال روز افزوں سے ہے تیرے عیاں
جو کہ حامی قوم کے ہیں اِن کا حامی ہے خدا

پرورش پاتی تھی جن کے سایۂ دولت میں قوم
لے گئی اُن کو بہا کر موجِ سیلابِ فنا

کچھ گھرانے رہ گئے ہیں جو کہ آتے ہیں نظر
ہند میں اب تکیہ گاہ اُمتِ خیر الوریٰ

یہ اگر بنتے نہ کشتیبان اس طوفان میں
کشتیِ اسلام تھی منجدھار میں بے ناخدا

رہ گئی تیری خریداری سے شرمِ اہلِ فضل
ورنہ اُنکی جنس کا گاہک یہاں کوئی نہ تھا

مل گئے تھے گوہرِ درجِ شرافت خاک میں
خاک سے تو نے اُٹھایا اُن کو اور بخشی جلا

ہو رہے تھے دودمانِ علم و دولت جاں بلب
تو نے اک اک کے چوایا حلق میں آبِ بقا

کول میں پودا لگا ہے جو پئے تہذیبِ قوم
آبیاری سے ہے تیری ہی اُسے نشو و نما

ہے یہ وہ احساں جس کے بارِ منت سے کبھی　　قوم کی گردن نہ ہلکی ہوگی بے رُوئے و ریا
تیرے ظلِ تربیت میں گر رہا یہ نونہال　　ہے یقیں پھیلیں گی شاخیں اس کی طوبیٰ سے سوا
فرض اگر کیجیے اسے دیوارِ کاخِ آرزو　　تو وہ پشتیباں ہے جس سے اس کی قائم ہے بنا
اور اگر کہیے کہ ہے یہ قوم کی کشتِ مراد　　تو ہے اس پر ابرِ رحمت کی طرح چھایا ہوا

۵۔ قصیدہ[لہ] ناتمام مرقومہ ۱۲۹۴ھ

سرسید احمد خاں دام بقاؤہم کی شان میں

پنہاں نہیں ہے یارو سب پہ کھلا ہوا ہے　　جو حال آج اپنا اور اپنی قوم کا ہے
ہے اک لکیر باقی جس پر فقیر ہیں ہم　　خود سانپ آشیاں سے کب کا نکل گیا ہے
اس پر بھی اے عزیزو ہے جائے فخر تم کو　　دنیوں میں دینِ بیضا حق نے تمہیں دیا ہے
قبلہ ہے وہ تمہارا جو گھر ہے سب سے پہلا　　ہادی ہے وہ تمہارا جو ختمِ انبیاء ہے
دی ہے وہ مصلحِ کل حق نے کتاب تم کو　　جس نے شریعتوں کو شیر و شکر کیا ہے
بخشی تمہیں حکومت حکمت تمہیں عطا کی　　دوراں سدا موافق تم سے نہیں رہا ہے
اس دورِ آخری میں جب یوں بگڑ چلے تم　　اک ہاشمی تمہارا مصلح کھڑا کیا ہے
سرسبز چاہتا ہے جو قوم کو جہاں میں　　فتووں سے قوم کے گو کافر ٹھہر چکا ہے
وقت اپنا کام اپنا جان اپنی مال اپنا　　یاروں پہ جس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے

لہ یہ قصیدہ اس وقت لکھنا شروع کیا گیا تھا جبکہ مدرسۃ العلوم کا بنیادی پتھر لارڈ لٹن اپنے ہاتھ سے رکھ چکے تھے اور سرسید کے کام تعجب کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے تھے۔ مگر بسبب مکروہات دنیوی کے پورا نہ ہو سکا ۱۲

واراُس پہ قوم کے ہیں وہ قوم کی سپر ہے　　قوم اُس سے بدگماں ہے وہ قوم پہ فدا ہے
ہمدرد قوم ایسا ہم نے سُنا نہ دیکھا　　یہ دردائس کو جد کی میراث میں ملا ہے
تعلیم کی تمہاری بُنیاد اُس نے ڈالی　　ملکوں میں جس کا چرچا ہر سمت ہو رہا ہے
بعد از قرونِ اولیٰ کس نے کیا بتاؤ　　سیّد نے کام آکر جو قوم میں کیا ہے

۶۔ قطعہ مرتبہ سنہ ۱۳۰۴ھ

مرثیہ حسین برادرِ راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم

کل سوگ میں بھائی کے اُسے دیکھ کے چُپ چُپ　　حالیؔ سے کہا ہم نے کہ اے بحرِ معانی
خاموش کبھی ہم نے تجھے یوں نہیں دیکھا　　کیا ہوگئی وہ تیری طبیعت کی روانی
شادی میں تری تہنیتیں ہم نے سُنی ہیں　　ماتم میں بھی دیکھی ہے تری مرثیہ خوانی
ہنستا ہے نہ روتا ہے نہ نالہ ہے نہ نوحہ　　کچھ کہہ تو سہی دل میں کیا تو نے ہے ٹھانی
دُنیا ہے یہ اِک دارِ فنا۔ جس کا اثاثہ　　سب خاک سے تا انجم و افلاک ہے فانی
ہو جائے گر انساں یہ نہیں ہر رنج میں خاموش　　کس طرح دلوں کے ہو عیاں رازِ نہانی
اِک آہ بھری سُن کے یہ حالیؔ نے کہ جس سے　　دل ہل گئے اور سب کے لہو ہو گئے پانی
فرمایا کہ موجوں سے بھنور کے نہیں آگاہ　　ساحل پہ ہیں جو راہ سپرِ قاضی و دانی
حالیؔ ہی کو معلوم ہے حالیؔ کی حقیقت　　مشکل ہے کسک دل کی عزیزوں کو دکھانی
آئے ہیں سدا بھائیوں سے بھائی بچھڑتے　　موت ایک کے آگے ہے ضرور ایک کو آنی
پہ بھائی ہو جس شخص کا حالیؔ کا سا بھائی　　غم بھائی کا مر جانے کی ہے اِس کے نشانی
جس بھائی نے بیٹوں کی طرح بھائی کو پالا　　سوکھی ہوئی کھیتی میں دیا باپ کے پانی

جس بھائی کے آغوش میں ہوش اُس نے سنبھالا — جس بھائی کے سایہ میں کٹی اس کی جوانی
شفقت نے دیا جس کی بُھلا مہر پدر کو — دی آنے کبھی دل پہ نہ بھائی کے گرانی
جیتا بھی رہا بھائی گر اُس بھائی کے پیچھے — لذت نہیں جینے سے نصیب اُس کو اٹھانی
دل مردہ ہو حالی کی طرح جس کا عزیزو — کیا ڈھونڈھتے ہو اُسکی طبیعت میں روانی
یہ چوٹ نہ لگائے کسی دشمن کو بھی اللہ — یہ چوٹ نہیں مرجانے کی ہے دل کے نشانی
بولیں گے بھی سو بار ہنسیں گے بھی جہاں میں — یہ ناؤ ہے ہر طرح ہمیں پار لنگھانی
پر آہ۔ کلی وہ جو ہے مرجھا گئی دل کی — مشکل ہے وہ ہنس بول کے آپس میں کھلانی
باقی رہیگا داغ سدا بھائی کا دل پر — ہر چند کہ فانی تھا وہ اور ہم بھی ہیں فانی

۷۔ قطعہ مرتبہ ۱۳۰۵ ہجری

بجناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

آسماں جاہ کی خدمت میں یہ حالی کی ہے عرض — کہ اگر میرا ہر ایک رونگٹا ہو جائے زباں
شکر ممکن نہیں اس کا کہ مجھے گھر بیٹھے — اُس نے ممتاز کیا بھیج کے شاہی فرماں
نہ ہوئی مجھ سے کوئی خدمت سرکار نظام — نہ کیا میں نے کبھی طوف درِ صدر زماں
نہ کوئی مجھ میں ہنر ایسا کہ ہو لایق قدر — اور نہ ایسا کوئی جوہر جو ہو قیمت میں گراں
حق نہ تھا دولتِ عالی پہ کوئی حالی کا — جس کے جلدو میں وہ اُس لطف کا ہوتا شایاں
ہاں مگر ذات میں ہے فیض رسانی جنکی — ڈھونڈھ لیتے ہیں کوئی حیلہ برائے احساں
ہیں مربی ہنر و بے ہنری کے۔ جس طرح — خار و گل دونوں کو کرتا ہے نہال آب رواں

آسماں جاہ کا اک میں ہی نہیں شکر گذار — مُلک میں اُس کا ثنا خواں ہی ہر اک پیر و جواں

یاںؔ اُن کھیتیوں کو دیکھے گیا ہے پانی — آنکھ اسلام کی خود جن کی طرف ہے نگراں

قوم اِس وقت ہے تعلیم کی جتنی محتاج — ہے وہ عالم پہ ہویدا نہیں محتاجِ بیاں

عزت۔ آسودگی اَور مذہب و ملّت اُن کا — ہو نہ تعلیم تو ہیں سب کوئی دن کے مہماں

پھر نہ قدر اُنکی کچھ آنکھوں میں خلایق کی بلند — اَور نہ وزن اُنکا ترازو میں حکومت کی گراں

آسماں جاہ پہ برکت ہو خدا کی جس نے — درد کا جان لیا اُن کے کہ یہ ہے درماں

مدرسے قوم کے اُس مُلک میں جو ہیں ممتاز — جن میں کچھ کچھ نظر آتے ہیں ترقی کے نشاں

اُن کی امداد سے نوابؔ نے کی ہے قایم — چشمِ عالم میں مسیحائی پہ اپنی برہاں

کرتے ہیں زندۂ جاوید بنی نوع کو۔ جو — بذل کرتے ہیں پئے تربیت اہلِ زماں

ہے مدارس کی اعانت وہ نکوئی جس کا — مُلک پر قوم پہ تا دیر رہے گا احساں

یہی بخشش ہے یہی جود ہے راس الحسنات — جس پہ موقوف ہے بہبودیٔ نسلِ انساں

یہی امداد ہے جس سے ہوئیں قومیں سرسبز — یہی تدبیر ہے جس سے ہوئے مُلک آباداں

یہی قوت ہے کہ ہوتے ہیں قوی جس سے ضعیف — یہی حکمت ہے کہ ہوتے ہیں سُبک جس سے گراں

دی لگا ایک نے پانی کی سرِ راہ سبیل — کی ہمیشہ کے لئے ایک نے واں نہر رواں

اُس کی خواہش تھی کہ ہو نے رہیں پیاسے سیراب — اُس نے چاہا کہ رہے پیاس کا باقی نہ نشاں

برکتیں علم کی جو مُلک میں پھیلاتے ہیں — نہر جاری ہی ہے ذات اِن کی سوا فیض رساں

بخت اِس مُلک کے جس ملک میں ایسا ہو وزیر — حامیٔ علم و خریدارِ کمالِ انساں

اب خدا سے یہ دعا ہے کہ جہاں ہیں جب تک — شکر احسان کا کرتے رہیں بعد از احساں
آسمان جاہ سے ہو تقویت ملکِ دکن — اور رہے ملک دکن ملجا و ماوائے جہاں
دولتِ قیصری و دولتِ آصفجاہی — ایک کی ایک زمانہ میں رہے پشتیباں

۸۔ قصیدہ مرتبہ سنہ ۱۳۱۶ھ

تہنیت عید الفطر۔ بہ جناب نواب سر آسمان جاہ مدار المہام سرکار عالی

مہ صیام گیا اور روز عید آیا — خوشی کا عید کی حق ہر کوئی بجا لایا
کیا خدا کا ادا شکر روزہ داروں نے — کہ اپنے صبر کا انعام ہم نے بھر پایا
رہیں منت ساقی ہیں بادہ خوار تمام — کہ تیس روز کے پیاسوں کا روزہ کھلوایا
گئے ہیں ایسے مساجد سے معتکف خوش خوش — کہ جیسے طفل ہو مکتب سے چھوٹ کر آیا
شگفتہ آتے ہیں اس طرح عید گاہ سے لوگ — کہ گنج انہوں نے ہے گویا خرابہ میں پایا
حسین جامے میں پھولے نہیں سماتے آج — کہ دن خدا نے نمائش کا ان کو دکھلایا
عزیز دوست گلے ملتے پھرتے ہیں باہم — خدا نے سیکڑوں روٹھوں کو آج منوایا
حکیم ہیں متفکر نہ زاہد افسردہ — خوشی نے دی ہے زمانہ کی کچھ پلٹ کایا
غنی ہیں شال میں مست اور گدا ہیں کھال میں مست — ہے ایک خوان سے منعم نے سب کو چھکوایا
ادھر ہے فصل بہار اور ادھر ہے عید الفطر — سماں نشاط کا ہے شہر و دشت پر چھایا
کھلے ہیں اس کے عوض دشت میں کروڑوں پھول — جو غم سے شہر میں آج ایک دل ہے کمھلایا
ہزاروں سرو خراماں ہیں شہر میں ہر سو — جو دشت میں کوئی پودا ہے آج مرجھایا

اگر خوشی کا زمانہ کی ہے یہی عالم
تو مجھو غم کا عوض عمر دوں نے بھر پایا

مگر یہ عاریتی انبساط ہے سب ہیچ
اِس انبساط پہ غافل ہے جو کہ اترایا

فریفتہ ہوئے جو ایسی ایسی خوشیوں پر
اُنھوں نے آب کا دھوکا سراب پر کھایا

خوشی ہے جس سے عبارت وہی خوشی انکی
جنھوں نے خلق میں ذکرِ جمیل پھیلایا

جنھوں نے دین کے گرتے ستون کو تھاما
جنھوں نے علم کا بجھتا چراغ اُکسایا

جنھوں نے مُلک کے امراض کو کیا تشخیص
جنھوں نے قوم کے افسردہ دل کو گرمایا

جنھوں نے خلق سے اپنا بنایا غیروں کو
جنھوں نے لُطف سے وحشی دلوں کو پرچایا

خبر مریضوں کی لی جاہلوں کو دی تعلیم
کھلایا بھوکوں کو بے پوششوں کو پہنایا

ہوا زمین پہ جس سال آسمان مُمسک
مینھ اپنی داد و دہش کا اُنھوں نے برسایا

ہوائے دہر اگر ہو گئی کبھی فاسد
فضائے دہر کو خلقِ حسن سے مہکایا

سدا غریبوں کی امداد پر رہیں جو تیار
لیا سنبھال اُسے جس نے ہاتھ پکڑایا

ہمیشہ مانگنے والوں کو بے دریغ دیا
نہ مانگ سکتے تھے جو اُن کے گھر پہ پہنچایا

نہ سمجھا آپ کو اِک پاسبان سے بڑھ کر
اُنھوں نے لطفِ حکومت اِسی میں کچھ پایا

نہ پانی کھانے میں لذت نہ چین سے سوئے
ستم رسیدہ کا جبتک کہ حق نہ دلوایا

وغا میں شیر مگر وقت رحم مور ضعیف
کسی کی آہ سُنی اور دل اِن کا بھر آیا

وہ سمجھے یہ کہ کوئی قافلہ ہوا تاراج
جو شاہ راہ میں پتا کسی نے کھڑکایا

وہ چونک اُٹھے کہ گویا قیامت آپہنچی
جو در پہ آکے کوئی داد خواہ چلّایا

نشاط و عشرتِ جاوید کی ہے اُن کو نوید
دِل ایسا جن کو عنایت خدا نے فرمایا

سُنا تھا کان سے جو ذکرِ خیرِ عہدِ سلف
سو آنکھ سے وہ وزیرِ دکن نے دکھلایا

بشیرِ دولت و دین صدرِ اعظم امرا
نہیں ہے جس کا کوئی قرب شہ میں ہمسایا

جو ظلِ حق ہے رعیت کے سر پہ شاہِ دکن
تو اعظم الامرا ظلِ حق کا ہے سایا

ہمیشہ جس کو ہے بہبودِ ملک مدِ نظر
رفاہ و امن ممالک میں جس نے پھیلایا

اُٹھایا فتنہ نے جب سر، فرو کیا اُس کو
پڑا عمل میں جہاں عقدہ اُس کو سُلجھایا

بنائے نظم و نسق جس نے رکھی شوریٰ پر
مشیرِ کار خرد پروروں کو ٹھہرایا

دکن کو جس نے کیا مرجعِ خواص و عوام
دکن کا جس نے کہ ڈنکا جہاں میں بجایا

نہ کوئی ملک میں سرکش رہا نہ نافرمان
جفا و ظلم کو توڑا غرور کو ڈھایا

بل انتظام کے رشتہ میں پڑ رہے تھے بہت
سو تکلے کی طرح اِک ایک بَل نِکلوایا

لگا گئے تھے وزیرانِ رفتہ جو پودا
وہ صاحبی میں وزیرِ زمان کی پھل لایا

ترقی اب یہ تمدن میں کی ہے بلدہ نے
کہ اپنی حالتِ پیشین سے خود ہی شرمایا

زمانِ حال سے ماضی کو دیکھیے کیا نسبت
اندھیری چھائی ہوئی تھی کہ دن نِکل آیا

خدا دراز کرے عمرِ اعظم الامرا
دکن کو جس کی حکومت نے دِن یہ دِکھلایا

زمیں پہ سایہ فگن جب تک آسمان ہے
رہے دکن پہ حضور نظام کا سایا

تھی کوئی چیز نہ حالی کے پاس لائقِ نذر
سو یہ چگامۂ ناچیز پیشکش لایا

یہی بس اس کے لئے ہوگا مایۂ نازش
جو اعظم الامرا نے قبول فرمایا

۹ - قطعہ مرتبہ ۱۳۰۸ھ

تہنیت ولادت فرزند ارجمند در شبستان اقبال جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

فیض رب ذوالمنن سے ۔ مژدہ اے اہل دکن
نائب دولت کا نخل آرزو لایا ثمر

دی بشیر دولت و دین کو وہ چیز اللہ نے
جس سے پایا دیدۂ یعقوبؑ نے نور بصر

جس کو پیری کا عصا سمجھا خلیل اللہ نے
حق نے دی جس کے عطا ہونیکی سارا کو خبر

جس کے ملنے سے ہوا داؤد ممنون قضا
جس سے پانے سے ہوا ایوبؑ مرہون قدر

جس کے بدلہ میں علی الرغم شماتت پیشگان
حق سے ختم الانبیاء نے پائے شبیرؑ و شبرؑ

جو بضاعت ہے گدا کی اور دولت شاہ کی
جو ہے حاصل عمر کا اور زندگانی کا ثمر

جس سے مستغنی دلی ہیں اور نہ عارف بے نیاز
جس سے ہیں اجداد زندہ اور اماجد نامور

صدر اعظم کو دیا صد شکر خالق نے خلف
خلق کی آہ و دعاؤں کا ہوا ظاہر اثر

یہ پسر یارب بحق عترت خیر الورٰے
پلے عمر خضر زیر سایۂ مہر پدر

صدر اعظم کی طرح دربار آصفجاہ میں
جایگاہ قرب سلطانی ہو اس کا مستقر

دولت و ثروت کو اسکی ذات سے لگجائیں شان
زیور علم و ادب سے ہو مجلی اس قدر

سیرت و عادت کو اسکی نکلے آن اجداد کی
جوہر اخلاق فاروقیؓ ہوں اس میں جلوہ گر

ملک آصف جاہ میں سر آسمان جاہ اور وہ
رات دن رکھیں اجالا صورت شمس و قمر

سلہ اس میں یہ اشارہ ہے کہ نواب سر آسمان جاہ بہادر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اولاد میں ہیں ۱۲ ۔

۱۰۔ قصیدہ[1] مرتبہ سنہ ۱۳۰۹ھ

اے صفر کی دوسری روز دوشنبہ مرحبا — ہم نہ بھولیں گے کبھی وہ تیری صبح جانفزا

ہم نے رکھا آکے جب بلدہ کی سرحد میں قدم — پھر گیا آنکھوں کے آگے اپنی اک عالم نیا

عزّتِ قومی۔ ترستی تھیں سدا آنکھیں جسے — اس کے کچھ آثار دیکھے ہم نے یاں شکرِ خدا

کھوج میں جس کی مخبّط بن کے پھرتے تھے اِک مُدّت سے ہم — آکے بلدہ کے سواد میں لگا اس کا پتا

بھیک کو نکلے تھے گھر سے کچھ بھکاری قوم کے — جھولیاں ڈالے گلے میں دربدر دیتے صدا

پہنچے لینے اُن کو وہ اعیانِ دارالملک سے — دولتِ عالی کو جن کی ذات پر ہے اُتقا

قوم کو ہے جن پہ فخر اور ملک کو ہے جن پہ ناز — سلطنت کے جو ہیں اعضا اور وزارت کے قویٰ

صدرِ اعظم[2] نے ہمیں بخشا اقامت کے لئے — وہ سرابستاں خجل ہو جس سے جنت کی فضا

ہم غریبوں کو سمجھ کر اِک سفارت قوم کی — دی وہ عزّت شکر جس کا ہو نہیں سکتا ادا

پیشتر مہماں نوازی کا فقط سنتے تھے نام — آکے یاں سمجھے کہ ہے مہماں نوازی چیز کیا

کی ہے نواب اقتدار الملک نے جو مرحمت — اُس نے کلفت کو سفر کی دل سے بالکل دھو دیا

یہ مقولہ ہند میں مُدّت سے ہے ضرب المثل — جو کہ جا پہنچا دکن میں بس وہیں کا ہو رہا

ہے دکن کی وہ یہی شاید مسافر پروری — جو دکن میں آکے دیتی ہے وطن دل سے بھلا

---

[1] یہ قصیدہ ماہ ستمبر ۱۸۹۱ء مطابق صفر ۱۳۰۹ھ میں بمقام حیدرآباد دکن جبکہ ڈاکٹر سر سید احمد خاں بہادر مع اکثر رفقا کے جن میں سے ایک راقم بھی تھا بطور ڈیپوٹیشن کے محمڈن کالج علی گڈھ کی طرف سے حضور سرکار نظام میں حاضر ہوئے تھے ایک جلسۂ عام میں پڑھا گیا تھا جس کے صدر انجمن جناب نواب وقار الامرا بہادر تھے ۱۲ حالی

[2] یعنی مدار المہام ۱۲

وارثِ ملکِ دکن ہے آج وہ محبوبِ خلق
نام پر دیتا ہے جس کے جان ہر چھوٹا بڑا

ہم کہ ہیں وکٹوریہ کے عہدِ رافت میں پلے
امن و آزادی کی ہم نے کھائی ہے برسوں ہوا

جانتے ہیں ہم کہ پلتی ہے رعیت کس طرح
کس طرح ہوتے ہیں مقبولِ جہاں فرمانروا

کرتے ہیں کس منتر اور افسوں سے تسخیرِ قلوب
کس طرح بوتے ہیں دل میں خلق کے تخمِ وفا

کرلیا محکوم کے دل میں اگر حاکم نے گھر
تو نہ سمجھو حق حکومت کا کیا اس نے ادا

ہے یہی شاہِ دکن کی گلّہ بانی کی دلیل
گلّہ اپنے گلّہ باں پہ جان و دل سے ہے فدا

پوچھنے کچھ نے کی اہلِ ملک سے حاجت نہیں
اُنکی خوشحالی پہ انکی تازہ روئی ہے فدا

دیکھتے آئے تھے جیسے راہ میں ہم سبزہ زار
خلق کو سرسبز دیکھا آکے یاں اُن سے سوا

راہ میں دیکھے تھے ہم نے کوہ اگر گردوں شکوہ
آکے دار الملک میں دیکھے محل گردوں نما[1]

عالموں کی سخت گیری سے ہیں سب آزادیاں
بینوا سے منعم اور منعم سے بڑھ کر بے نوا

اغنیا میں ہم وہ استغنا نہیں پاتے کہیں
جیسا بے پروا نظر آتا ہے یاں ایک اک گدا

جتنی یاں قومیں ہیں رکھتی ہیں باہم میل جول
بے تعصب بے تکلف بے تصنع بے ریا

ایک کے تہوار میں بے عذر ہیں سارے شریک
ایک کی تقریب میں ہمدم ہیں سب اور ہم نوا

دولتِ عالی نے حق سب کو برابر ہیں دیئے
ایک پر ترجیح کچھ رکھتا نہیں یاں دوسرا

پارسی - ہندو - مسلمان - یا مسیحی کوئی ہو
ہے دکن کو ہر کوئی اپنی ولایت جانتا

---

[1] یہ اشارہ ہے اس محل کی طرف جو کہ نواب وقار الامرا بہادر نے بلدہ حیدر آباد کے باہر جانب جنوب پہاڑ پر زرِ خطیر صرف کر کے اپنے رہنے کے لئے بنوایا ہے اور اُس کا نام فلک نما رکھا ہے ۱۲

ہم کو یاں کہنا تھا کچھ اور کہہ گئے بھولے سے کچھ ‌ ‌ ‌ رہگذر کی سیر نے منزل سے غافل کر دیا

قصہ کوتہ۔ بار جب ہم کو مِلا دربار میں ‌ ‌ ‌ کہہ نہیں سکتے کہ بیداری تھی وہ یا خواب تھا

دیکھ کر اپنی رسائی تختِ آصف جاہ تک ‌ ‌ ‌ واقعہ مور اور سلیمان کا ہمیں یاد آ گیا

حضرتِ والا نے جس شفقت سے کیں نذریں قبول ‌ ‌ ‌ اُس پہ گر جان اپنی ہم قربان کریں تو ہے بجا

جس توجہ سے سُنی روداد قومی درسگاہ ‌ ‌ ‌ شکر سے اُس کے نہیں ہو سکتے ہم عہدہ برآ

جب سے کالج کی علی گڈھ میں بنا ڈالی گئی ‌ ‌ ‌ دولتِ عالی مدد کرتی رہی اِس کی سدا

جو لگایا تھا درخت اُس کی ہمیشہ لی خبر ‌ ‌ ‌ دم بدم پانی دیا یاں تک کہ بار آور ہوا

اب کہ وقت آ کر پڑا تھا بانیِ کالج پہ سخت ‌ ‌ ‌ دولتِ عالی نے شرطِ دستگیری کی ادا

مشکلیں جس طرح کی تھیں قوم کی اوّل کل ‌ ‌ ‌ کی اُسی دریا دلی سے اُن کی پھر حاجت روا

خود علی گڈھ کالج اور اُس کے درِ دولت رب ‌ ‌ ‌ راگ گائیں گے سدا احسان آصفجاہ کا

ہند میں باقی ہیں نسلیں جب تلک اِسلام کی ‌ ‌ ‌ جیتے جی ہونگی نہ اُسکے طوقِ منت سے رہا

کی ہے سرسیّد نے جو کوشش فلاحِ قوم میں ‌ ‌ ‌ اِس کو ہے لے اہلِ مجلس اِک زمانہ جانتا

چپہ چپہ سے سرسیّد سے بیڑا پار ہونا تھا محال ‌ ‌ ‌ دولتِ عالی اگر بنتی نہ اِس کی ناخدا

تھا چلا سیّد کا سچ پوچھو تو خشکی میں جہاز ‌ ‌ ‌ دولتِ عالی نے اُس خشکی پر دی گنگا بہا

ہے روایت۔ جبکہ ہجرت کر کے ختم المرسلین ‌ ‌ ‌ پہنچے یثرب میں تو یہ ارشاد یاروں سے کیا

جس طرح ہوتی ہے اپنی سانپ کی جائے پناہ ‌ ‌ ‌ ہوگا ملجا اب مدینہ بھی یونہیں اسلام کا

ہے بلا تشبیہ۔ دار الملک آصفجاہ بھی ‌ ‌ ‌ ہند میں اب مرکزِ اسلام ہے رہ گیا

ذی لیاقت جتنے تھے ہندوستان میں انتخاب   دولتِ عالی نے چُن چُن کر لیا سب کو بلا
تربتیں اور خانقاہیں۔ مدرسے اور مسجدیں   سب کی ہوتی ہے مدد اِس گھر سے بیچون وچرا
حجِ بیت اللہ سے۔ جو ہر مسلمان پر ہے فرض   ہے دکن آنا مقدم۔ شک نہیں اس میں ذرا
اوّل آنا چاہیئے یاں استطاعت کے لئے   کیونکہ ہے بے استطاعت۔ حج کو جانا ناروا
خرچ سے ہاتھ اِک مسلمان کا ہو گر اُترمیں تنگ   ہے دکن کی سمت وہ گردن اُٹھا کر دیکھتا
خواب آتے ہیں دکن کے اُس کو سوتے میں نظر   قوم کا بچہ مڈل سے جب ذرا آگے بڑھا
ہند میں کرتے ہیں کوشش جو رفاہِ خلق میں   اور مدد کو جن کی واں حاضر ہے ہر چھوٹا بڑا
چلتے چلتے اُنکی گاڑی بھی اٹکجاتی ہے جب   کھینچنے کو اُسکے جاتا ہے یہیں سے بینڈیا[۱]
ہے دکن کی مسلمانوں کی یارو وہ مثال   اِک سمندر ہے کہ ہر سو جس میں ہے طوفاں بپا
تھا جہاز اِک اسمیں معمور اہلِ فضل و جاہ سے   لطمۂ امواج نے پرزے دیئے اُسکے اڑا
ڈوبنے والے بھی جو وہ ڈوب کر اُچھلے نہ پھر   بچ رہے ہیں جو وہ ہر سو مارتے ہیں دست و پا
کوئی کشتی یا جہاز آتا نہیں اُن کو نظر   اِس محیط بیکراں میں اِک زورق کے سوا
ہے وہ زورق فی المثل سرکار آصفجاہ کی   ہے مسلمانوں کو ابلے دے کے جس کا آسرا
ہے دُعا جس وقت تک پانی سمندر میں رہے   یا رب اِس زورق کو تو موجِ حوادث سے بچا
ختم کر حالی سپاس صدر اعظم پر سخن   بال بال اپنا ہے جس کے شکر میں جکڑا ہوا

---

[۱] جب گاڑی یا چھکڑا بیلوں سے نہیں کھنچ سکتا تو بیلوں کی جوڑی کے آگے تیسرا بیل لگا دیتے ہیں اُس کو بینڈیا کہتے ہیں ۱۲ •

تقویت سے جس کی ہر مشکل ہماری حل ہوئی .. انجمن کے منعقد ہونیکی دی جس نے رضا
پھر ادا کر جان و دل سے شکر صدر انجمن جسکے قدموں میں یہ زیبا ہی کہ دیں آنکھیں بچھا
جس نے قومی انجمن میں بن کے صدر انجمن قوم کی دی عزت اور انکی امیدیں دیں بڑھا
لیکے اذن صدر مجلس کیجئے پھر قصد وطن ورنہ ہے حالی دکن کی دلفریب آب و ہوا
باندھ لیجے جلد اب رخت سفر ڈر ہی کہ ساتھ قافلہ سے چھوٹ نہ جائے قافلہ سالار کا

١١- قطعہ مرتبہ سنہ ١٣٠٩ھ

بمقام حیدر آباد دکن

یا بُلا کر دی ہے جو عزت ہمیں سرکار نے اوّل اُس کا شکر کرتے ہیں ادا اور بعد ازیں
خدمت والا میں ہیں اک عرض کرنی چاہتے عرض کرنیکی اجازت ہو اگر اپنے تئیں
شاعری جس کو سمجھتے ہیں کمال ابنائے دہر جو لیاقت اسمیں ہے درکار وہ ہم میں نہیں
شکر کرنا تھا ہمیں سرکار عالی کا ضرور چند نظمیں انجمن میں اس لئے ہم نے پڑھیں

لہ ١٣٠٩ھ میں جو راقم اور مولانا محمد شبلی نعمانی اور دیگر بزرگان قوم آنریبل سر سید احمد خان بہادر کے ہمراہ علیگڈھ محمڈن کالج کی طرف سے بطور ڈیپوٹیشن کے حیدر آباد دکن میں بحضور سرکار عالی نظام حاضر ہوئے تھے۔ اس موقعہ پر ایک عام جلسہ بصدارت نواب وقارالامرا بہادر بشیر باغ میں منعقد ہوا تھا جسمیں راقم نے اور مولانا محمد شبلی اور بعض اور صاحبوں نے کچھ نظمیں سرکار عالی کے شکریہ میں پڑھی تھیں، جلسہ کے بعد جناب صدر انجمن نے مجھکو اور مولانا محمد شبلی کو خاص طور پر ہماری نظمیں دوبارہ سُننے کے لئے دولت خانہ پر طلب فرمایا تھا وہاں اپنی نظم پڑھنے سے پہلے یہ قطعہ جو اُس وقت موزون کیا گیا تھا۔ راقم نے پڑھا تھا ١٢

گرچہ کی ہے کوشش اِن نظموں کے لکھنے میں بہت ۔۔۔ اور جگہ انگشت رکھنے کی نہیں چھوڑی کہیں
رہ گیا پر ہم سے اِس کوشش میں باقی اِک قصور ۔۔۔ درگذر فرمائیں گے سرکار اِس سے ہے یقین
اور تو کچھ خوبیاں شاید ملیں اِن میں ۔ مگر ۔۔۔ جھوٹ ۔ جو اشعار کا زیور ہے وہ اِن میں نہیں

۱۲ - قطعہ مرتبہ ۱۳۰۹ھ بمقام حیدرآباد

در شکر اضافۂ وظیفہ بہ پیشگاہ جناب نواب سر آسمان جاہ بہادر

اے بشیر دولت و دین نائب شاہ دکن ۔۔۔ اے مہماتِ دکن کا ذات پر تیری مدار
مجھ پہ فرمایا ہے جو لطف و کرم سرکار نے ۔۔۔ شکر اُس کا کر نہیں سکتا ادا میں زینہار
جو کہ ہوتے ہیں جہاں میں بہرہ ور مقصود سے ۔۔۔ پہلے ہو لیتے ہیں صدہا مشکلوں سے وہ دوچار
کوئی دُنیا میں نہیں ہوتی بغیر اِسکے فتوح ۔۔۔ ہے اِسی پر کامیابی کا زمانے کی مدار
پر ملا مقصود جب حالی کو اس ڈھب سے ملا ۔۔۔ بے تردد ۔ بے تذلل ۔ بے طلب ۔ بے انتظار
قدردانی گر زمانہ میں یونہیں ہو جائے عام ۔۔۔ پائیں بے مانگیں مرادیں اپنی سب اُمیدوار
یارب اِس سرکار کو ۔ ہے جس سے عالم فیضیاب ۔۔۔ جب تلک دنیا ہے دُنیا میں رکھیو برقرار

۱۳ - ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۱ء مطابق ۱۳۰۹ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے چھٹے اجلاس میں بمقام علی گڈھ پڑھا گیا

شکر اُس نعمت کا یارب کر سکے کیونکر زباں ۔۔۔ تُو نے رکھا ہم کو یاں فقر و غنا کے درمیاں
جب بچے بھوکے تو بخشی تو نے نان و خورش ۔۔۔ پر نہ اتنی معدہ و احشا پہ جو گذرے گراں

لہ اِس نظم میں متوسط درجہ کے لوگوں کی حالت کو فقرا اور اغنیا دونوں کی (بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۱ پر)

جب ہوئے پیاسے تو بخشا آبِ شیریں اور خنک ۔۔۔ پر نہ ایسا۔ ہو صراحی جسکی یاروں سے نہاں
ڈھانکنا چاہا بدن جب۔ تو دیا تو نے لباس ۔۔۔ پر نہ ایسا جسکو حسرت سے تکیں خرد و کلاں
کھانے پینے کے کئے برتن ہمیں تو نے عطا ۔۔۔ پر نہ ایسے۔ ٹوٹنے سے جنکو ہو خوفِ زیاں
سونے اور آرام کرنے کو دیا بستر ہمیں ۔۔۔ پر نہ ایسا۔ جس سے اُٹھنا ہو طبیعت پر گراں
رہنے سہنے کو دیئے گھر تو نے ہم کو ہر جگہ ۔۔۔ پر نہ ایسے۔ ہو تعلق جن سے مثلِ جسم و جاں
آنے جانے کو دیئے دو پاؤں ہاں تو نے ہمیں ۔۔۔ جن سے ڈرنے بھاگنے کا اور نہ گرنیکا گماں
راہ اور بے راہ یکساں جن کو ہنگامِ خرام ۔۔۔ کوہ شدرا جن کا اور نہ خندق اور کنواں
کی سواری بھی عطا اکثر جو پیش آیا سفر ۔۔۔ پر نہ ایسی۔ تختِ فرعونی کا ہو جس پر گماں
سیم و زر وقتِ ضرورت ہم کو تو دیتا رہا ۔۔۔ پر نہ اتنا۔ ہو نگہبانی میں جس کی بیم جاں
آبرو تو نے ہمیں دنیا میں دی اور امتیاز ۔۔۔ پر نہ ایسی۔ جس سے ہوں محسودِ ابنائے زماں
نعمتیں اکثر ہمیں بعد از مشقت تو نے دیں ۔۔۔ تا کہ تیری نعمتوں کی قدر ہو ہم پر عیاں

سلہ حاشیہ صفحہ ۱۰۰ ہ حالت سے بہتر بتایا گیا ہے۔ متوسطین سے وہ لوگ مراد ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی کوشش اور سلف ہلبپے دولت عزت نیکنامی یا علم و فضل میں اپنی پہلی حالت سے ترقی کرکے اپنے ہمسروں میں امتیاز حاصل کیا ہو۔ ادنیٰ درجے سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو اپنی پست حالت سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے یا چاہتے ہیں مگر وہ نہیں بڑھ سکتے اعلےٰ درجہ سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو دولت و عزت کے لحاظ سے ایک ممتاز حالت میں پیدا ہوئے مگر اس حالت سے ترقی کرنیکی ضرورت نہیں سمجھتے اور نیز اس حالت پر قائم رہنے کی فکر اور اُس سے تنزل کرنے کا کچھ انسداد نہیں کرتے ۱۲ حالی

راحتیں اکثر میسر آئیں تکلیفوں کے بعد تاکہ کھو بیٹھیں نہ ہم اِن راحتوں کو رائگاں

وقت پر کرتا رہا بارانِ رحمت سے نہال

قحط اور طوفان دونو سے بچایا بال بال

الحذر اِس فقر و ناداری سے سو بار الحذر لومڑی جاتے ہیں بن جسکی بدولت شیر نر

چاپلوسی جاکے کرتے ہیں سفیہوں کی فقیر ناکسوں کے نازِ بیجا سہتے ہیں اہلِ ہنر

وزن میں علم و فضیلت جنکی ہے ہم سنگ کوہ وہ سبک تر دانۂ خردل سے آتے ہیں نظر

فقر و حاجت میں ہو انساں کو جب صبر و شکیب پھر نہیں کوئی بُرائی فقر و حاجت سے بتر

بھیک منگوائے جو کھلوائے یہ چوری کرائے پت گنوائے آبرو کھوئے پھرائے در بدر

ہو سکے محتاج سے طاعت نہ یاد اللہ کی لے سکے محتاج جورو کی نہ بچوں کی خبر

گہ زباں آلودہ اِس کی شکوۂ تقدیر سے اور کبھی بوچھاڑ اُس کی آسمانِ پیر پر

گہ بخیلوں کی مذمت پر کبھی آجائے وہ ہو نہ سب و شتم سے سیری اُسے دو دو پہر

اگلے زہر اتنا کہ ہو جائے مذاقِ بزم تلخ کھول دے غیبت کا دفتر اہلِ دولت کی اگر

گہ وبائے عام کی مانگے دعا اللہ سے تاکہ دولتمند بھی کچھ دن رہیں آسیمہ گر

اور کبھی چاہے کہ ہو دنیا میں کوئی انقلاب تاکہ ہو جائیں بلند اور پست سب زیر و زبر

بے حلاوت اسکی دُنیا اور مذبذب اسکا دین خوفناک اِس کا ارادہ نیت اس کی پُرخطر

رات اسکی حسرت آگین اور دن اندوہگین شام اُس کی پر نحوست اور شوم اسکی سحر

گو کہ بدتر فقر سے یارب نہ تھی کوئی بلا تھا مگر ثروت میں اُس سے بھی زیادہ شور و شر

فقر سے تو نے بچایا یہ بھی کم نعمت نہیں
پر نہ دی ثروت سو اُسکے شکر کی طاقت نہیں

نشۂ دولت سے تھا پھر ہوش میں آنا محال
اس میں مردِ آزما کی بھی بہت مشکل سنبھال

نفسِ امّارہ اور اس پر چھیڑ مال و جاہ کی
ڈھیر ہے بارود کا جیسے پتنگا جس میں ڈال

بادِ صرصر آگ کو اس طرح بھڑکاتی نہیں
جس طرح جذباتِ نفسانی کو بھڑکاتا ہے مال

ہضم کرنا اور بچانا مال و دولت کا ہے بس
نفسِ انسان میں اگر بالفرض ہے کوئی کمال

ورنہ مال و جاہ و مکنت کا جہاں آیا قدم
اور ہوئے سلب آدمی سے آدمیت کے خصال

عقل ٹھہراتی ہے جو افعال انسان پر حرام
کر دیئے اُسکے لئے سب مال و دولت نے حلال

فقر میں تھا نفسِ دون و امّارہ جس پرواز سے
آ کے ثروت نے دیئے پر واسطے اِسکے نکال

خواہشیں یوں نفس میں اب دم بدم بڑھنے لگیں
مغز میں جس طرح دیوانہ کے گوناگوں خیال

آپ کو گننے لگا بالاتر از ابنائے جنس
چیونٹوں میں ایک نے گویا نکالے پر و بال

مسرفِ بے زر ہو جیسے قرضخواہوں میں گھرا
خواہشوں میں اس طرح جکڑا ہوا ہے بال بال

جھک پڑی طبعِ دنی گر بخل و خست کی طرف
ہو گئی فرزند و زن پر زندگی اُسکی وبال

اور اگر بھوت اُس کے سر پر چڑھ گیا اسراف کا
پھر نہیں گنجینۂ قارون کچھ آگے اُس کے مال

آ گیا غالب طبیعت پر گر استسقائے حرص
ہے سمندر سے بھی اُسکی پیاس کا بجھنا محال

باڑھ پر تلوار کی چلنا نہیں شاق اس قدر
جس قدر ثروت میں ہے دشوار پانا اعتدال

گلشنِ دولت کے ہوں انگور کھٹے بھی اگر
دیکھ اے روباہِ نفس اِن سے حذر اِن سے حذر

ہے عجب دُنیا میں نعمت درمیانی زندگی — فقر کی ذلّت سے اور ثروت کے فتنہ سے بری
چین ہے دُنیا میں گر کچھ تو اِسی حالت میں ہے — یہ جو ہے برزخ میانِ مکنت و دست تہی
فقر و ثروت فی المثل ہوں دوزخ اور جنّت اگر — مانگتے ہیں ہم حذر دوزخ سے اور جنّت سے بھی
دخل شیطان کا ہو جس میں ایسی جنّت کو سلام — منزلِ اعراف سو بار ایسی جنّت سے بھلی
اِس کٹھن منزل میں ہے بیٹھا ہی اِک بے خطر — ہیں اِدھر کھڈ اُدھر چڑھائی ہے اُدھر سبزہ کی
رکھتے ہیں فقر و غنا میں جو کہ حالت بین بین — ہیں حسد اور کبر کے امراضِ مہلک سے بری
اپنے سے اعلیٰ کی حالت پر اگر آتا ہے رشک — دیکھ کر ادنیٰ کو کر لیتے ہیں اپنی دل دہی
سُن کے ہو جاتے ہیں سیدھے وہ بڑوں کا فخر و ناز — مِل کے چھوٹوں سے بہل جاتا ہے گر خفا کبھی
لذّتِ فقر و غنا دونوں سے ہیں وہ آشنا — اغنیا میں ہیں فقیر اور ہیں فقیروں میں غنی
جو گذرتی ہے گدا پر اُس سے ہیں وہ باخبر — کیونکہ حالت گاہ گاہ اُن پر بھی گذری ہے یہی
امتحان دولت کے بھی ہیں کچھ نہ کچھ جھیلے ہوئے — کیونکہ ہے ہر گھونٹ میں اِس مے کے بدمستی وہی
اِس لئے جب دیکھتے ہیں عسرتِ ابنائے جنس — جوش ہمدردی سے بیکل اِن کا ہو جاتا ہے جی
اور نہیں کرتے زبانِ طعن بیدردی سے وا — جبکہ سنتے ہیں کسی منعم کی از خود رفتگی
مست کی بے اختیاری تشنگی مخمور کی — واردات اِک ایک کی ہے سربسر اُن پر کھلی

جنّت اور دوزخ ہے سب اسرافیوں پر جلوہ گر
گندم اور زقوم دونوں اِن کے ہیں پیشِ نظر

دِل توانا اور قوی بازو ملک کی ہمت اِن سے ہے — نظم ہر قوم و ملت کی جماعت اِن سے ہے

مشکلیں اکثر انہیں سے قوم کی ہوتی ہیں حل　　بھائیوں کے بازوؤں میں زور و طاقت اِن سے ہے

ہے انہیں کے دم سے جو ہے گرمیٔ ہنگامہ آج　　ساری قومی مجلسوں کی زیب و زینت اِن سے ہے

ہے جہاں دولت یہی ہیں نظم دولت کے کفیل　　ملک کی دولت میں ہے جو خیر و برکت اِن سے ہے

ہاتھ میں انکے ہیں جتنے عقل و دانش کے ہیں کام　　عقل و دانش میں ہے جن ملکوں کی شہرت اِن سے ہے

ہیں گداؤں کے وسیلے اور شاہوں کے مشیر　　شاہ ہوں یا ہوں گدا دونوں کو قوت اِن سے ہے

آدمیت سیکھتے ہیں اِن سے رتبے میں بڑے　　نوعِ انساں میں بقائے آدمیت اِن سے ہے

یہ نہ ہوں تو علم کی پوچھے نہ کوئی بات یاں　　رونقِ بازارِ جنسِ علم و حکمت اِن سے ہے

پاؤگے اِن میں طبیب اِن میں ادیب اِن میں خطیب　　ہے اگر انساں کو حیواں پر فضیلت اِن سے ہے

پاؤگے اِن میں حقیقت پاؤگے اِن میں حکیم　　آدمی مصداقِ رحمانی خلافت اِن سے ہے

کرتے ہیں اخلاق ادنیٰ اور اعلیٰ اُن سے اخذ　　آدمی سب ہیں مگر انسان عبارت اِن سے ہے

اِن میں قوموں کے ہیں مصلح اِن میں ملکوں کے وکیل　　آبرو قوموں کی اور ملکوں کی عزت اِن سے ہے

پھونکتے ہیں روحِ قومیت یہی افراد میں　　ہے جہاں قوموں میں یکرنگی و وحدت اِن سے ہے

دم سے ہے وابستہ اُن کے قوم کا سارا نظام
یہ اگر بگڑے تو سمجھو قوم کا بگڑا قوام

گر نہ ہو ہر حال میں اُن کی مصالح پر نظر　　ہیں مفاسد گرد و پیش اِن کے فراہم سر بسر

کھیلتی ہے جس طرح بتیس دانتوں میں زبان　　ہے انہیں بھی شر سے یوں بچ کے رہنا عمر بھر

گھاٹیاں فقر و غنا کی اِن کے ہیں دونوں طرف　　اور رستہ بیچ میں ہے بال سے باریک تر

ایک جانب پستیٔ فطرت ہے اور دوں ہمتی
ایک جانب مستی و غفلت ہے اور کبر و بطر

جھک پڑے گر اس طرف تو مفت کھو بیٹھے انہیں
وہ جو اڑنے کے لئے حق نے دیئے تھے بال و پر

ڈھل گئے گر اس طرف تو اس بلا میں پھنس گئے
جس میں پھنس جاتی ہے مکھی شہد میٹھا جان کر

برکتیں اللہ کی اس قوم پر جس قوم میں
رہ سپر یہ طبقۂ والا ہو سیدھی راہ پر

ہیں معطل اغنیا اور بے نوا کوتاہ دست
سب کی پڑتی ہے انہیں کے دست و بازو پر نظر

جو قویٰ ان کو ملے ہیں کام میں لائیں انہیں
تاکہ زندوں کی طرح ہو زندگی ان کی بسر

فرض ہیں جو ان کے ذمہ خالق اور مخلوق کے
ان میں سرگرداں ہیں دیوانہ وار آٹھوں پہر

قوم ہو گر ناتواں تو تقویت بخشیں اسے
کیونکہ اس کے ضعف سے ہے انکی قوت کو ضرر

گو نجات انساں کو مکروہات دنیا سے نہیں
جن سے بچنا گوشت سے ناخن چھٹانا ہے۔ مگر

کام دنیا میں سنوارے ہیں جنہوں نے قوم کے
تھے نکموں سے وہ مکروہات میں آلودہ تر

سارے بھگتاتے تھے بائیں ہاتھ سے دنیا کا کام
اور دائیں سے تھیں قوم کی کرتے تھے نذر

جس طرح اس انجمن کے رکن آئے ہیں تمام
قوم کی خاطر ہزاروں چھوڑ کر دنیا کے کام

قوم کو ہے آس جس کی وہ جماعت ہے یہی
جس سے جان آتی ہے مردوں میں وہ طاقت ہے یہی

اتفاق قوم ہے اقبال و دولت کی دلیل
رائی کو کرتی ہے جو پربت وہ قوت ہے یہی

مال و دولت نامبارک ہے نہ ہو گر اتفاق
قوم جس دولت کی بھوکی ہے وہ دولت ہے یہی

یاں وکیل ایک ایک ہے شہر اور ملک کا قائم مقام
دانہ کو کرتی ہے جو خرمن وہ برکت ہے یہی

رائگاں جائیگا یاروں کا نہ یہ رنج سفر
راحتیں جس کی طفیلی ہیں وہ زحمت ہے یہی

فرد فرد آتے ہیں جو جاتے ہیں یاں سے مجتمع
ملتے ہیں جس کی بدولت دل وہ ملت ہے یہی

تم ہمارے کام آؤ ہم تمہارے کام آئیں
جس سے کل چلتی ہے دنیا کی وہ حرکت ہے یہی

قوم کی خدمت میں ہے مضمر ربوبیت کی شان
جو کہ پہنچاتی ہے خادم کو وہ خدمت ہے یہی

قوم کی ذلت کو سمجھیں ذلت اپنی سب عزیز
ملک میں عزت سے اب رہنے کی صورت ہے یہی

سال بھر رہتا ہے نقش اس انجمن کا یادگار
جو کبھی برہم نہیں ہوتی وہ صحبت ہے یہی

کر رہا ہے قوم کے منتشر کل کو یہ مجمع وسیع
جز سوا فزوں ہے مدِ جسکا وہ جمعیت ہے یہی

اتفاقاً گر کبھی ہو جائے یہ ہنگامہ سرد
ڈر نہیں اس کا کہ خود قانون قدرت ہے یہی

ہے کبھی افراط باراں اور کبھی ہے قحط آب
طینت عالم میں خاصیت ودیعت ہے یہی

کال ہے گر اس برس تو ہے سماں اگلے برس
جو خبر دیتی ہے کثرت کی وہ قلت ہے یہی

دیگ تو پکتے ہی یہ پکنے گی دھیمی آنچ میں
کچھ ابال آیا تو ہے اس میں غنیمت سمجھیے یہی

انجمن ہے قوم کی ہنگامۂ شادی نہیں
ایک دن کا کام کچھ روما کی آبادی نہیں

۱۴۔ مسدس مرثیہ سنہ ۱۳۱۰ ہجری

مرثیہ جناب حکیم محمود خاں مرحوم دہلوی

اے جہاں آباد۔ اے اسلام کے دار العلوم
اے کہ تھی علم و ہنر کی تیرے اک عالم میں دھوم

تھے ہنرور تجھ میں اتنے۔ جتنے گردوں پہ نجوم
تھا افاضہ تیرا جاری ہند سے تا شام و روم

زیب دیتا تھا لقب تجھ کو جہاں آباد کا
نام روشن تجھ سے تھا غرناطہ و بغداد کا

تیری طینت میں ودیعت تھا مذاقِ علم و دیں   جیسے اُمّی تجھ میں تھے عالم نہ تھے ایسے کہیں
ہند میں جو تھا محدث تھا وہ تیرا خوشہ چیں   تھی محدث خیز اے پاتخت تیری سرزمیں
تھا تفقہ بھی مسلّم تیری خاکِ پاک کا
بیہقی وقت تھا اِک ایک فقیہ اِس خاک کا

شاذ و نادر تھا تصوف میں کوئی تیرا نظیر   آب و گِل کا تیرے تھا گویا تصوف سے خمیر
تیرے کھنڈروں میں پڑے سوتے ہیں وہ مہرِ منیر   تھا کبھی انوار سے جن کے زمانہ مستنیر
آج جس دولت کا بازارِ جہاں میں کال ہے
تیرا قبرستان اُس دولت سے مالا مال ہے

طب میں گو یونانیوں کا سب سے آگے تھا قدم   آن کر اُس نے لیا تھا دوسرا تجھ میں جنم
جب کہ تو آباد تھا دُنیا میں اے باغِ ارم   بھرتے تھے تیرے اطبا بھی مسیحائی کا دم
ہند میں جاری تجھی سے طب یونانی ہوئی
شہر شہر اِس جنس کی یاں تجھ سے ارزانی ہوئی

خاک سے اُٹھے ہیں تیری جیسے جیسے نکتہ ور   ایک جہاں شیوا بیانی سے ہے اِن کی باخبر
راس تھی آب و ہوا تیری سخن کو جس قدر   سرو کو ہوگی نہ راس اتنی ہوائے غاتفر[1]

---

[1] غاتفر سمرقند کے قریب ایک قطعہ زمین ہے جہاں کا سرو خوبی و زیبائی و راستی میں ضرب المثل ہے ۱۲

حسنِ صورت میں اگر ضرب المثل نوشاد[1] تھا
حسنِ معنی تیرا حصہ اے جہاں آباد تھا
لیکے ساتھ اسلام نکلا تھا عرب سے جو علوم — جن میں تھی اسلامیوں کی چار سو عالم میں دھوم
دولت و اقبال کا جبتک رہا تجھ پر ہجوم — کھیتیوں پر تیری برساتے تھے آنکے جھوم جھوم
آئی گلشن میں نہ تیرے بھول کر فصلِ خزاں
تیری سرحد میں رہا ہر علم و دانش کا سماں
جس طرح تھا فضل و دانش میں ترا مشہور نام — تھے تمدن میں بھی پیرو تیرے جمہورِ انام
آدمیت سیکھنے آتے تھے تجھ سے خاص و عام — شہری و بدوی تری تقلید کرتے تھے مدام
رسم میں آئین میں اوضاع میں اطوار میں
طرز میں انداز میں رفتار میں گفتار میں
رہ گیا باہر سے آکر جو کہ تجھ میں چند سال — ڈھل گئے سانچے میں گویا اسکے عادات و خصال
آکے بن جاتا تھا یاں نقصانِ انساں کا کمال — تیرے پچھاویں سے موتی بنکے جاتے تھے سفال
آتے ہی انسان کی کایا پلٹ جاتی تھی یاں
چار دن میں اور ہی صورت نکل آتی تھی یاں
تیرا معمورہ تھا اِک عالم میں مرجع اور مآب — آن کر لیتے تھے یاں ٹھیکی جہانکے انتخاب
بستے تھے اطراف سے آ آکے تجھ میں شیخ و شاب — کر دیا تھا تیری آبادی نے ملکوں کو خراب

---

[1] نوشاد اور خلخ دو شہر ترکستان میں تھے جو حسن خیزی میں مشہور تھے ۱۲

جمگھٹا تھا تجھ میں تُرک و فرس و روم و زنگ کا
دستہ تھا گویا کہ تو گلہائے رنگا رنگ کا

لیکن آخر طبعِ دوراں کا ہی جیسے اقتضا ہر ترقی کی ہے حد ہر ابتدا کی انتہا
جب کہ دورہ اپنا تو دُنیا میں پورا کر چکا وقت اے جانِ جہان تیرا بھی آخر آ لگا
گردشِ افلاک کے ہونے لگے تجھ پر بھی وار
تیرے گلشن سے بھی کچھ آخر لگی کرنے بہار

تجھ پہ اے دار الخلافت انقلاب آنے لگے غیب سے تجھ کو تباہی کے خطاب آنے لگے
طالعِ مشفق کے پیغامِ عتاب آنے لگے تیرہ بختی کے نظر یاروں کو خواب آنے لگے
دولت و اقبال کا بندھنے لگا رختِ سفر
تجھ سے اے دار العلوم اُٹھنے لگا علم و ہنر

ہو گئے تیرے محدث راہی دار السلام کر گئے دُنیا سے رحلت تیرے مفتی اور امام
ہو گیا رُخصت جہاں سے تیرا جاہ و احتشام رفتہ رفتہ ہو گئی سب صاحبی تیری تمام
مجلسیں برہم ہوئیں زیر و زبر دیواں ہوئے
خانقاہیں بے چراغ اور مدرسے ویراں ہوئے

چل دیئے نوبت بہ نوبت تیرے شاعر اور ادیب مٹ گئی تیری طبابت چھٹ گئی تیری طبیب
جاگ جاگ آخر سدا کو سو گئے تیرے نصیب اِس گلستاں میں نہ اُٹھی پھر صدائے عندلیب
جن کو کھو بیٹھے نظیر ان کا کہیں پایا نہ پھر

جو گیا۔ اُس کا کوئی قائم مقام آیا نہ پھر

کر گئے اخلاق اور آداب سب تجھ سے سفر — گر گیا نظروں سے تیرا سب جلال و جاہ و فر

جھڑ گئے تاجِ شرف سے تیرے سب لعل و گہر — تجھ کو اے دار الخلافت کھا گئی کس کی نظر

علم ہے باقی نہ اب دولت ہے تیرے پاس وہ

اے گلِ پژمردہ تیری کیا ہوئی بو باس وہ

دورِ آخر میں کہ تیرا تیل تھا سب جل چکا — بجھتے بجھتے تھا چراغ اک تو نے سنبھالا سا لیا

خاک نے یاں تیری پھر اُگلے وہ لعلِ بے بہا — جن سے روشن ہو گیا کچھ دن کو نام اسلاف کا

عہدِ ماضی کا سماں آنکھوں میں سب کی چھا گیا

خواب جو بھولا ہوا مدت کا تھا یاد آ گیا

جاہ و مکنت قوم کی گو تجھ میں کچھ باقی نہ تھی — پر نہ کی عرضِ ہنر میں تو نے اب بھی کوتہی

اس بزرگی سے گذاری تیرھویں تو نے صدی — پھر گئی آنکھوں میں پھر تصویرِ دورِ اکبری

علم دین و شعر و حکمت طب و تاریخ و نجوم

ڈال دی پھر اپنی تو نے چار سو ہر فن میں دھوم

ملک میں ہر سو وہی پھر بول بالا تھا ترا — تھا جہاں علم و ہنر گو دوں کا پالا تھا ترا

تھی جہاں کچھ روشنی وہ سب اجالا تھا ترا — پھر جو دیکھا غور سے وہ اِک سنبھالا تھا ترا

چاند نکلا تھا گہن سے جو وہ پھر گہنا گیا

چار دن کی چاندنی تھی پھر اندھیرا چھا گیا

علم والے علم کے دریا بہا کر چل دیئے ‏ ‏ ‏ واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخنور تھے کہ سحر اپنا دکھا کر چل دیئے ‏ ‏ ‏ کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جلا کر چل دیئے

ایک تختہ رہ گیا تھا تیری ٹوٹی ناؤ کا
لے گئی سیلِ فنا اُس کو بھی اے دِلّی بہا

جا چکی تھی تجھ سے گو اے شہر عظمت قوم کی ‏ ‏ ‏ ہو چکی تھی آبرو مدت سے رخصت قوم کی
پر کچھ اِک محمود خاں کے دم سے تھی پت قوم کی ‏ ‏ ‏ اُٹھ گیا وہ بھی جہاں سے آہ قسمت قوم کی

کیا دکھا کر اب دلائے گا سلف کو یاد تو
ناز اب کس پر کرے گا اے جہاں آباد تو

تجھ میں ہے دِلّی! کوئی اب ایسا مقبولِ جہاں ‏ ‏ ‏ نازشِ دار الخلافت مرجعِ ہندوستاں
ہند سے لے تا عرب کشمیر سے تا انڈماں ‏ ‏ ‏ بچہ بچہ کی زباں پر نام ہے جس کا رواں

نیم جانوں کا مسیحا اور غریبوں کا طبیب
خود حکیموں کا معالج اور طبیبوں کا طبیب

ہے کوئی اب تجھ میں ہیرو ایسا یکتائے زماں؟ ‏ ‏ ‏ واقعاتِ زندگی کر دیجے گر اُس کے بیاں
سمجھیں اِک افسانہ ناواقف اسے اور داستاں ‏ ‏ ‏ ہے تعجب خیز الحق سیرتِ محمود خاں

یا وہ اِک جوہر الگ تھا جوہرِ انسان سے
یا نکلتے اب نہیں ایسے جواہر کان سے

اُس کا تھا دیوان خانہ ملک کا دار الشفا ‏ ‏ ‏ خلق کا دن رات رہتا تھا جہاں تانتا بندھا

مُفت بیماروں کو اس کے در سے ملتی تھی دوا　　فکر نذرانہ کا تھا اُن کو نہ شکرانہ کا تھا
اُس کے استغنا سے جُھک جاتا تھا سر مغرور کا
اور عنایت سے کنول جاتا تھا کھل مزدور کا
بے حقیقت اُس نے سمجھا مال و دولت کو سدا　　تھے برابر اُس کے نزدیک اغنیا اور بینوا
گو طبیب اور ڈاکٹر تھے شہر میں بے انتہا　　کوئی مُفلس کا نہ تھا پُرسانِ حال اس کے سوا
کرتے ہیں جو دعویٰ ہمدردی نوعِ بشر
اُس نے باطل کر دیئے تھے ان کے دعوے سربسر
طبِ مُسلماؤں کی لی اُس کی مسیحائی نے تھام　　ورنہ ابتک اُس کی ترکی ہو چکی ہوتی تمام
رونقِ طبِ جدید اور اسپہ میل خاص و عام　　درسگاہوں اور دواخانوں کا اُسکے انتظام
دیکھ کر تھا اِک زمانہ اُس کی خوبی کا مقر
طبِ یونانی گئی تھی خلق کی نظروں سے گر
سرجنوں کے دیکھ دیکھ آلات و اعمال و حیل　　آ گیا تھا رائے میں زود اعتقادوں کے خلل
دیں مگر اُس کی مسیحائی نے سب رائیں بدل　　طبِ یونانی گئی کچھ دن کو پھر گر کر سنبھل
سلطنت اور عقل تھی جس فوج کی ہمت فزا
ایک طاقت اُس کے حملوں سے ہوئی عہدہ برآ
گو کر جاتے تھے شفا خانوں میں خاص و عام سب　　پر اُلجھ جاتے تھے سخت امراض میں بیمار جب
خلق کا پھر ملجا و ماوی اُسی کا تھا مطب　　اُسکے بیماروں کو گو مایوس ہوں یا جاں بلب

سوء تدبیر و معالج کی خطا کا ڈر نہ تھا
موت کا ڈر تھا مگر مہلک دوا کا ڈر نہ تھا

رکھتے ہیں آلات پر سرجن بھروسا جس قدر — کرتے ہیں معلوم جو جو اُن سے امراض بشر
وہ بتا دیتا تھا سب کچھ رکھ کے انگلی نبض پر — اس کی اِک انگلی پہ تھے قربان سو تھرمامیٹر

نارسا تھیں دوربینیں اہلِ صنعت کی جہاں
جا پہونچتی تھی نگاہِ دوربین اس کی وہاں

شہر کے سب مرد و زن پیر و جواں۔ خرد و کلاں — تھے قوی پشت اس سے ایسے جیسے پشتہ سے مکاں
جس کو نسخہ دے دیا لکھ کر وہ یہ سمجھا کہ ہاں — زندگانی کے ابھی کچھ اور دن باقی ہیں یاں

گو کہ ماتم ملک میں ہے اُس کا ہر سو آج کل
پر گئی اے شہر تیری جان ہی گویا نکل

کیا عجب پیدا ہوں پھر ایسے طبیب اور چارہ گر — جو کہ تشخیص مرض میں رکھتے ہوں غائر نظر
خلق کو تکیہ ہو جن کی رائے اور تدبیر پر — شہر میں ہوں مرجع کل۔ ملک میں ہوں نامور

جمع ہوں محمود خاں کے ذات میں اُنکی کمال
ہے یہ سب ممکن۔ مگر محمود خاں مِلنا محال

راستی اور راستبازی اُنکی تھی ضرب المثل — اُسکے کاموں میں ریا تھی اور نہ باتوں میں دغل
امتحاں کے وقت جب تھا نظم عالم میں خلل — راستبازوں کی گئی تھی ٹھیک جب ہر سو نکل

کھوٹ سے اُس آنچ میں نکلا وہ خالص اسطرح

آگ میں تپ کر کھرا رہتا ہے کندن جس طرح

وہ زمانہ جبکہ تھا دِلّی میں اِک محشر بپا ‏ ‏ ‏ نفسی نفسی کا تھا جب چاروں طرف غل پڑ رہا
اپنے اپنے حال میں چھوٹا بڑا تھا مبتلا ‏ ‏ ‏ باپ سے فرزند اور بھائی سے بھائی تھا جدا

موجزن تھا جبکہ دریائے عتابِ ذوالجلال
باغیوں کے ظلم کا دُنیا پہ نازل تھا وبال

دیکھ کر یاروں کو جب آنکھیں چرا جاتے تھے یار ‏ ‏ ‏ ساتھ دینا تھا کسی کا موت سے ہونا دو چار
یار سے یار آشنا سے آشنا تھے شرمسار ‏ ‏ ‏ شہر میں تھی چار سو گویا قیامت آشکار

آگ تھی اِک مشتعل ایسی کہ تھا جس سے خطر
جل نہ جائیں اُس کے شعلے سے کہیں سب خشک تر

ہو رہا تھا جبکہ کھوٹے اور کھرے کا امتحان ‏ ‏ ‏ کر رہا تھا اپنے جوہر خاک کا پتلا عیاں
ایک جانب تھی اگر خندق تو اِک جانب کنواں ‏ ‏ ‏ بال سے باریک تر تھی راہ اُن کے درمیاں

راہرو گُمراہ تھے اور راہ پُر خوف و خطر
اُس نے دکھلایا کہ یوں چلتے ہیں سیدھی راہ پر

مجرم و بے جرم میں تھا حاکموں کو اشتباہ ‏ ‏ ‏ عدل تھا مجرم کا دشمن اور بری کا عذر خواہ
مجرموں کے جرم پر دیوار و در تھے سب گواہ ‏ ‏ ‏ پر نہ تھا کوئی شفیع ان کا کہ جو تھے بے گناہ

ایسے نازک وقت میں مردانگی جو اس نے کی
اہلِ انصاف اِس کو بھولے ہیں نہ بھولینگے کبھی

بالیقین جن مجرموں کو اُس نے سمجھا بے خطا   مارشل لا میں ثبوت اِن کی گواہی کا دیا
چین سے بیٹھا نہ جبتک ہو گیا اِک اِک رہا   جو کہ تھے نادار کی اِن کی اعانت برملا
زر دیا کھانا دیا کپڑا دیا بستر دیا
بے ٹھکانوں کو ٹھکانا بے گھروں کو گھر دیا

تھے جھگڑوں میں کبھی پڑنے کی جس کی خو نہ تھی   دی گواہی جسنے ہرگز جھوٹی یا سچی نہ تھی
جسنے صورت تک عدالت کی کبھی دیکھی نہ تھی   ہاتھ سے جس نے بڑوں کی آن اب تک دی نہ تھی
بیگناہوں کے لئے وہ رات دن چکر میں تھا
پاؤں اِک اُس کا عدالت میں تھا اور اِک گھر میں تھا

جبکہ عنقا تھی دیانت بین ابناء الزماں   تھی امانت جسکی اُس کے پاس ہلکی یا گراں
خوف میں پاس اپنے رکھا اُس کو مثلِ پاسباں   کی حوالے مالکوں کے جب ہوا امن و اماں
ایک عالم ناخدا ترسی میں جب بیباک تھا
اُس کا دامن تھا کہ ہر دھبے سے بالکل پاک تھا

وضعداری میں نہ تھا اُس کا زمانہ میں بدل   وضع میں اُسکی تغیر تھا نہ عادت میں خلل
وقت کی تاثیر کا اُس پر نہ چلتا تھا عمل   اِنقلابِ دہر کی زد سے گیا تھا وہ نکل
اس کے آگے اِن نئے سانچوں کی کچھ ہستی نہ تھی
اُس پہ چلتی کچھ زمانہ کی زبردستی نہ تھی

کی تھی جو بچپن سے طرزِ زندگانی اختیار   اُس میں فرق آیا نہ وقتِ واپسیں تک زینہار

وضع اِس کی جو کہ تھی وضعِ سلف کی یادگار　　کوہ راسخ کی طرح تھا ایک حالت پر قرار

قوم کے از یاد رفتہ خواب کی تعبیر تھی

عہدِ عالمگیر اکبر شاہ کی تصویر تھی

سر پہ دُنیا کے علایق کا تھا گو بارِ گراں　　پر ہر اک حالت میں ہلکی پھول سی رہتی تھی جاں

پا بگِل دُنیا میں، پر دُنیا کے غم سے برکراں　　رنج ہو یا ہو خوشی جب جا کے دیکھو شاد ماں

ظاہرا پابند تھا دُنیا کی رسم و راہ کا

دِل مگر پایا تھا ایسا جیسا اہل اللہ کا

منقبض اِس کو نہ مکروہات میں پایا کبھی　　غم سے دُنیا کے نہ پیشانی پہ بل لایا کبھی

دِل کسی بادِ مخالف سے نہ کُملایا کبھی　　تلخیِ دوران سے چتوں پر نہ میل آیا کبھی

کی بسر دار المحن میں بزمِ عشرت کی طرح

عمر کاٹی دوزخِ دُنیا میں جنت کی طرح

مِٹ گئی افسوس اِک ایسی سلف کی یادگار　　قوم میں جس کی مثال آیندہ کم دیکھیں گے یار

گُل کِھلائے گی نئے، گلشن میں اب بادِ بہار　　رنگ ہو گا جن میں لیکن بو نہ ہو گی زینہار

کرتے ہیں جب اِن حوادث کی نظر انجام پر

قوم میں اِک ہم کو سناٹا سا آتا ہے نظر

اِک زمانہ تھا کہ تھا ہم سے موافق روزگار　　اہلِ علم و فضل و دانش کا نہ تھا ہم میں شمار

ایسے مردم خیز تھے اسلام کے شہر و دیار　　جیسے حاصل خیز دُنیا میں نہ ہوں گے کشت زار

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں
سوُرج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

یا یہ اب پہنچی ہے ہم میں نوبتِ قحط الرجال ایک اُٹھ جاتا ہے دنیا سے اگر صاحب کمال
دوسری ملتی نہیں دُنیا میں پھر اس کی مثال ذات باری کی طرح گویا کہ تھا وہ بے مثال

ظاہرا اب وقت آخر ہے ہماری قوم کا
مرثیہ ہے ایک کا اب نوحہ ساری قوم کا

سنتے ہیں حالی سخن میں تھی بہت وسعت کبھی تھیں سخنور کیلئے چاروں طرف راہیں کھلی
داستاں کوئی بیاں کرتا تھا حُسن و عشق کی اور تصوّف کا سخن میں رنگ بھرتا تھا کوئی

گاہ غزلیں لکھ کے دل یاروں کے گرماتے تھے لوگ
گہ قصیدے پڑھ کے خلعت اور صلے پاتے تھے لوگ

پر ملی ہم کو مجال نغمہ اس محفل میں کم راگنی نے وقت کی لینے دیا ہم کو نہ دم
نالۂ و فریاد کا ٹوٹا کہیں جا کر نہ سم کوئی یاں رنگیں ترانہ چھیڑنے پائے نہ ہم

سینہ کوبی میں رہے جبتک کہ دم میں دم رہا
ہم رہے اور قوم کے اقبال کا ماتم رہا

۱۵۔ ترکیب بند مرتبہ ۱۸۹۲ء مطابق ۱۳۱۰ھ

جو محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے ساتویں اجلاس میں بمقام دہلی پڑھا گیا

یہ خاک۔ آج جس پہ ہیں جمع اہل آرا یاں ہو چکے کرشمے کیا کیا ہیں آشکارا

اس باغ میں بہاریں جو جو گذر چکی ہیں　　آنکھوں کے روبرو ہے گویا سماں وہ سارا
کل جشن فتح تھا یاں ہے آج جشن شادی　　ہردم عروج پر ہے اسلام کا ستارا
بلبن کے آج مہماں خاقاں ہیں اور سلاطیں　　اصطخر ہے کہ دلی بلبن ہے یا کہ دارا
فیروز شہ کی ہے کل ٹھٹھے سے آمد آمد　　دولہا بنا ہوا ہے تزئیں سے شہر سارا
تغلق کا آج لشکر تیمور کے مقابل　　بہر مدافعت ہے میدان میں صف آرا
مغلوں کے اڑ رہے ہیں کل جشن فتح نصرت　　تیمور سے زمانہ ہے بر سر مدارا
آتا ہے آج بابر لودی پہ فتح پاکر　　ہیں شوق شاہ نو میں پیر و جواں خود آرا
کل سوریوں میں ہر سو بجتے ہیں شادیانے　　مغلوں کا آرہا ہے گردش میں کچھ ستارا
ہے جشن فتح پھر آج چغتائیوں میں برپا　　اقبال نے ہے گویا مغلوں سے قول ہارا
جس دھوم سے ہے گھر گھر جشن جلوس اکبر　　ہے گرد اُس کے آگے جشن قباد و دارا
شاہ جہاں خوشی سے پھولا نہیں سماتا　　تعمیر ہو چکے ہیں شہر و فصیل و بارا
تیاری اس خوشی میں جشن عظیم کی ہے　　گویا کہ ہے جہاں میں جشن سدہ[۱] دوبارا
اطراف ہند سے ہیں اعیان ملک آئے　　پاکر حضور شہ سے سب جشن کا اشارا
ارکان سلطنت میں سب پائے تخت حاضر　　بالائے تخت طاؤس ہے شاہ جلوہ آرا
وہ جشن کرنے والے گو خاک میں نہاں ہیں　　پر جشن انکے اب تک سب زیب داستاں ہیں

۱؎ سدہ آگ کو کہتے ہیں۔ جشن سدہ وہ جشن ہے جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ دنیا میں سب سے اوّل جمشید نے پتھر میں سے آگ نکلنے کی خوشی میں بڑی دھوم سے ایران میں کیا تھا ۱۲ +

اے خاکِ پاکِ دہلی اے تختگاہِ شاہاں　پیشِ نظر ہیں تیرے سب اگلے ساز و ساماں
ہنگامے اِس زمیں پر لاکھوں ہیں گرم ہو　پر کوئی جشنِ قومی آتا نہیں نظر یاں
تقریبِ جشن جس میں ہو کچھ نہ جز اخوت　ملکوں سے جمع آکر جس میں ہوئے ہوں اخواں
پائین و صدر کا ہو جس میں نہ کچھ تفاوت　خرد و بزرگ کی ہو جس میں نشست یکساں
جن کو نہ ہو بُلاوا حاکم کا اور نہ قدغن　لایا ہو کھینچ کر دل اُن کو نہ حکمِ سُلطاں
خادم ہوں جس قدر واں مخدوم قوم کے ہوں　مخدوم جتنے ہوں واں سب قوم پر ہوں قرباں
خاطر کسی کی چاہے کوئی نہ واں تواضع　ہوں خود ہی میزبان وہ اور خود ہی ہوں وہ مہماں
ٹھہرائیں جس کو چاہیں وہ آپ میرِ مجلس　چاہیں جنہیں بنائیں وہ آپ میرِ ساماں
آئے ہوں اِس غرض سے سب مِلکے تا کہ سوچیں　دُنیا میں کس طرح ہوں سرسبز پھر مسلماں
ہندوستاں میں کیونکر باقی رہے نشانی　اُس قوم کی کہ تھا کل جن کے وہ زیرِ فرماں
نکلیں تو کیونکر نکلیں ذلت سے وہ گھرانے　اعزاز نے تھا باندھا جنکے بڑوں سے پیماں
اُن مدرسوں کا کیونکر جاری رہے افاضہ　جنکے سبب سے زندہ نامِ حدیث و قرآں
جو مسجدیں ہیں بہرِ ذکرِ خدائے واحد　محفوظ حادثوں سے کیونکر ہوں انکے ارکاں
جو کچھ ہے بھائیوں کی تقدیر میں وہ سر ہو　اپنی طرف سے لیکن ہے سعی فرضِ انساں
اے شہ نشینِ اسلام اے معدنِ سلاطیں　اے پائے تخت سادات اے دارِ ملکِ مغلاں

تو جشن گاہِ شاہاں ہر عہد میں رہا ہے
ایسا بھی جشن کوئی تجھ میں کبھی ہوا ہے؟

شاہوں کے جشن تھے وہ یہ جشن قوم کا ہے — شوکت میں وہ بڑے تھے عظمت میں یہ بڑا ہے
دولت کے تھے وہ جلوے ملت کا ہے یہ نقشہ — کاغذ کی تھیں وہ نادیں بیڑا یہ نوح کا ہے
بے روح تھی وہ قالب یہ اس میں روح خوبی — موجِ سراب تھے وہ یہ چشمۂ بقا ہے
میلے نہ وہ بچھڑتے تھے صبح ان میں گریہ ہوتی — رہتا ہے آندھیوں میں روشن یہ وہ دیا ہے
وہ دن گئے کہ نازاں تھی قوم سلطنت پر — اب قوم کو خدا کا یا اپنا آسرا ہے
بس سلطنت یہی ہے مل بیٹھنا ہمارا — یہ چھت نہ سمجھو سر پر یہ سایۂ ہما ہے
گم گشتہ بخت جس کو پھرتے ہیں ڈھونڈتے ہم — لگتا ہے کچھ تو اس کا لگتا یہیں پتا ہے
وہ مشکلیں کریں گے اب حل ہمیں تمہیں کچھ — جن مشکلوں کا ہم کو اور تم کو سامنا ہے
ہم میں اگر مخالف کچھ ہوں اس انجمن کے — معذور ہیں وہ ان سے شکوہ نہ کچھ گلا ہے
فوجِ کمک کو اکثر سمجھا ہے فوجِ دشمن — حملہ کمک پہ اپنی اپنوں نے خود کیا ہے
نادم ہوئے ہیں لیکن روشن ہوا ہی جب دن — انسان سے ہمیشہ ہوتی رہی خطا ہے
قدر ایسی مجلسوں کی مدت میں ہو گی ہم کو — ابتک ضرورتوں نے مضطر نہیں کیا ہے
ہوتی ہے قدر اُن کی بنتی ہے جان پر جب — لاتے ہیں تب یہ نادیں جب بیڑا ڈوبتا ہے
گو سب جہاز والے خطرے سے بیخبر ہیں — پر رنگ ناخدا کا کچھ فق سا ہو رہا ہے

آفات بحر سے ہیں نا واقف آشنا سب
ہنستے ہیں ناخدا پر۔ روتا ہے ناخدا جب

گلشن میں فصلِ گل کے سب مٹ چکے نشاں ہیں — پر چین سے عنادل گلشن میں نغمہ خواں ہیں

طاؤس و کبک خوش خوش گلشن میں ہیں خراماں اور بیٹھے ہاتھ ملتے گلچیں و باغباں ہیں
غفلت کی چھا رہی ہے کچھ قوم پر گھٹا سی بیفکر و بیخبر ہیں بوڑھے ہیں یا جواں ہیں
اتراتے ہیں سلف پر اور آپ ناخلف ہیں رستہ کدھر ہے اُن کا اور جا رہے کہاں ہیں
فضل و کمال اُن کے کچھ تم میں ہوں تو جانیں گر یہ نہیں تو بابادہ سب کہانیاں ہیں
کھیتوں کو دے لو پانی اب بہ رہی ہے گنگا کچھ کر لو نوجوانو اُٹھتی جوانیاں ہیں
تم سے ہمیں تو تھا مو عزت کو قوم کی کچھ اپنے تو قافلے سب پا در رکاب یاں ہیں
اک خضر رہ نے رستہ سیدھا بتا دیا ہے رستے پہ دیکھیں چلتے اب کتنے کارواں ہیں
خدمت میں اُن کے حالی کہتا ہے یہ ادب سے اس وقت رونق افزا یاں جتنے مہرباں ہیں
دُنیا میں گر ہے رہنا تو آپ کو سنبھالو ورنہ بگڑنے کے یاں آثار سب عیاں ہیں
عرصہ ہوا کہ ہم کو آنکھیں دکھا رہے ہیں قدرت کے قاعدے جو دُنیا پہ حکمراں ہیں
جو اپنے ضعف کا کچھ کرتے نہیں تدارک قومیں وہ چند روزہ دنیا میں مہماں ہیں
گھڑیال اور مگرمچھ ہیں اُن کو نگلے جاتے دریا میں مچھلیاں جو کمزور و ناتواں ہیں
سنبھلو۔ وگرنہ رہنا یاں اس طرح پڑیگا بھیل اور گونڈ جیسے گمنام بے نشاں ہیں

یہ غفلتیں مبادا اب روزِ بد دکھائیں
ڈھونڈے سے کچھ نشاں ہیں ڈھہ کر مٹ نجائیں

اشعار متفرقہ

اِن میں اکثر وہ اشعار ہیں جو لوگوں کی فرمایش سے خاص خاص موقعوں پر اُردو یا فارسی وغیرہ میں لکھے گئے ہیں

تمہید رقعہ شادی عروسی

شکر کیجے کون سی نعمت کا خالق کی ادا — اِک سے ہے ایک نعمت اِسکی بندوں پر سوا
اُس کی قدرت کے خزانوں میں نہیں ہرگز کمی — جس نے جو مانگا وہی اُس نے مہیا کر دیا
نخل تر کو پھل دیا اور پھل کو بخشا رنگ و بو — سیپ کو موتی دیا موتی کو دی آب اور ضیا
کھیتیوں کو مینھ دیا ماں باپ کو اولاد دی — اِس سے دی دُنیا کو رونق اِس سے آنکھوں کو جلا
عمر روز افزوں عطا فرمائی پھر اولاد کو — کل چھٹی تھی جن کی ہے دن آج اُنکے بیاہ کا
آؤ اِس کے شکریہ میں مِل کے باہم شاد ہوں — تاکہ صورت سے ہو ظاہر شکر انعام خدا

ایضاً

چھٹی بیاہ یا تیج تہوار ہو — لب آب یا صحن گلزار ہو
گل و لالہ ہو یا ہو عطر و گلاب — مے و نغمہ ہو یا ہو چنگ و رباب
یہ ساری خوشی کے ہیں سامان جب — کہ ہوں ایک جا جمع احباب سب
بزرگوں سے محفل کی شوکت بڑھے — عزیزوں سے پیاروں سے عزت بڑھے
جہاں اس طرح جمع ہو چار یار — ہیں اُس بزم پر لاکھ گلشن نثار

ایضاً

شکر کہ از فضلِ خدائے جہاں — وقت خوش از پردہ برآمد عیاں

شادی دل را سببِ آمد بدست — فرصتِ بزم طرب آمد بدست

تا شود از مقدمِ اہل کرم — کلبۂ ما غیرتِ باغِ ارم

ایضاً

رفت آسیب زمستان باد نوروزی وزید — دوستداران را بشارت باد و یاران را نوید

طرح بزمِ خرمی با ہمدگر باید نہاد — نغمۂ شکر الٰہی دمبدم باید کشید

ایضاً

سلام من محب مستکین — علیه الخیر والبرکات تترٰی

سلام مردف مروح وراح — وبین یدیه للاحباب بشرٰی

ودعوة شاهدین وغائبینا — من الاخوان والخلان طراً

خاتمہ رقعہ شادی

فاطیب العیش فی الدنیا وارغده — مهينا بذيا مرات الاحبا

ایضاً

ہزار دیدۂ دل فرش راہ یاراں نے — کہ از مسرتِ یاراں مسرت اندوزند

بہ شادی و طرب ہمدگر شوند انبار — ہزار رخ ز فروغ ولے برافروزند

ایضاً

کار احباب ساختن بتواں　　دوستاں را نواختن بتواں
تابہ دھر ابرو یاد خواہد ماند　　از شما لطف یاد خواہد ماند

اشعار غزل ناتمام

اس زندگی کے ہاتھوں حسین ایک دن نبھایا　　یہ جان ہے بدن میں یا خار پیرہن میں
حاضر ہو جب بہ دل ہی ہی باغ و راغ یکساں　　ہم دوستو گئے بھی۔ تو کیا گئے چمن میں
ہے اک خراش دل میں۔ ڈر ہی کہ پھر نہ آئے　　زخمی ہے قیدخانہ میں اور مشک ہے ختن میں
تو اپنے بھولے پن سے شیدا ہوئی ہو ورنہ　　اے فاختہ دھرا ہے کیا سرو و نارون میں

ایضاً

کس قدر یارو ہوا ہے انقلاب　　آ گیا یاروں کے اقراروں میں فرق
خود بتائے گا تمہیں دورِ زماں　　بے وفاؤں اور وفاداروں میں فرق
ان پہ ہم قربان ہیں وہ ہم پر نثار　　ہے بہت پیاروں میں اور یاروں میں فرق

ایضاً

گر نہ ہو نیتِ گدا میں فرق　　آئے کیوں شاہ کی عطا میں فرق
ہیں وفادار اور بھی۔ لیکن　　ہے مری جاں وفا وفا میں فرق

اشعار قصیدہ ناتمام

یاد ایامیکہ تھی باغ جوانی پہ بہار　　نظر آتا تھا خزاں میں بھی زمانہ گلزار

نشہ میں چوستے اک بادۂ پرزور کے ہم
جس کا راحت میں کلفت میں اُترتا تھا خمار

سر پہ وہ دیو قوی آکے چڑھا تھا اپنے
یاد تھا جس کا نہ عامل نہ سیانے کو اُتار

روکتا تھا نہ جسے غار نہ خندق نہ کنواں
ہم تھے اُس توسنِ سرزور پہ دن رات سوار

رہتے تھے اُس شترِ مست کی صورت بے قید
ہاتھ سے جس نے شتربان کے تڑالی ہو مہار

پند گو ہوتے تھے جتنے کہ زیادہ دل سوز
اِن کی صحبت سے تھے اتنے ہی زیادہ بیزار

خیر خواہ اور تھے غمخوار مربی جتنے
اِن کی صورت سے ہمیشہ ہمیں چڑھتا تھا بخار

ملکے ہمجولیوں سے جان میں جان آتی تھی
ہنسنے اور بولنے پر زیست کا تھا اپنی مدار

اب اُمنگیں ہیں وہ دل میں نہ ترنگیں باقی
تیرے اے عمر گئے اب وہ کہاں لیل و نہار

صدا[۱]ئے گدایانِ قوم

ڈھونڈتے خضر مبارک پے کو یاں آئے ہیں ہم
چھوڑ کر بھٹکا ہوا اک کارواں آئے ہیں ہم

ڈر ہے جو خوشدل ہیں وہ سن کر نہوں آزردہ دل
سخت عبرت خیز لیکر داستاں آئے ہیں ہم

ہند میں اسلام کا پھولا پھلا تھا جو چمن
لیکے اُس کا مژدۂ فصلِ خزاں آئے ہیں ہم

علم جو زندہ کیا تھا آپ کے اجداد[۲] نے
آج اُس مُردے پہ اُسی کے نوحہ خواں آئے ہیں ہم

---

۱ پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے چند باہمت لوگوں نے جنہوں نے اپنی جماعت کا نام گدایانِ قوم رکھا ہے ریاست بہاولپور میں چندہ وصول کرنے کے لئے جانے کا ارادہ کیا تھا۔ ان کا قصد رئیس کے حضور میں یہ اشعار پڑھنے کا تھا۔ لیکن غالباً اُن کا جانا نہیں ہوا۔ ۲ چونکہ رئیس بہاولپور بنی عباس میں سے ہیں۔ اور عباسیوں کی خلافت میں علم کو بہت ترقی ہوئی تھی۔ اس لئے یہ مضمون اس طرح ادا کیا گیا۔

قوم کھو بیٹھی ہے جو عباسیوں کی یادگار ۔۔۔ جستجو میں اسکی مشعل لیکے یاں آئے ہیں ہم
تا کہ ہو معلوم سب کو قوم کی حالت ہے کیا ۔۔۔ اس لئے ڈالے گلے میں جھولیاں آئے ہیں ہم
خود غرض ٹھہرائیں یا مکار ہم کو یا گدا ۔۔۔ ذلتیں یہ کرکے سب خاطر نشاں آئے ہیں ہم
فخر سب بیجا ہیں اُن کے قوم ہے جنکی ذلیل ۔۔۔ فخر و عزت کے مٹا کر سب نشاں آئے ہیں ہم
ہے بنی ہاشم کی مہمان پروری ضرب المثل ۔۔۔ اسلئے یاں بن بلائے میہماں آئے ہیں ہم
تشنگی اپنی بجھائی ہو گی اے آب حیات ۔۔۔ لیکے منہ میں قوم کی سوکھی زباں آئے ہیں ہم

مژدہ قدوم حضور شاہزادہ ویلز در ہند

مژدہ ہو اہل مشرق اب دن پھرے تمہارے ۔۔۔ مغرب سے سوئے مشرق آیا ہے مہر تاباں
گلہ کی اپنے لینے آیا خبر کہاں سے ۔۔۔ ہے ایسے گلہ بان پر گلہ کی جان قرباں
ہندوستان بھی تجھ سے کچھ آجکل نہیں کم ۔۔۔ اے معدن بزرگی اے خاک انگلستاں
تیرے نصیب کا تو کیا پوچھنا ہے لیکن ۔۔۔ ہندی بھی ان دنوں ہیں قسمت پہ اپنی نازاں
مہمان ہے آج ان کا اس شاہ کا ولی عہد ۔۔۔ روئے زمیں کے سلطاں جسکے ہوئے ہیں مہماں

شکریہ عطائے مدرسہ نواب غازی الدین خان مرحوم واقع اجمیری دروازہ دہلی بحضور سر جیمس لائل لفٹنٹ گورنر بہادر پنجاب از طرف طلبائے اینگلو عربی سکول دہلی

آیئے اے دِلّی کے دل آرا ۔۔۔ شہر دعا گو سب ہے تمہارا

لہ چونکہ یہ نظم صغیر سن طالبعلمیں کیلئے لکھی گئی تھی تاکہ وہ ہز ہائنس کے روبرو مجتمع ہوکر بطور کورس کے گا کر گائیں پڑھیں اس لئے بچوں کی سمجھ کے موافق نہایت سیدھے سادے الفاظ جمع کر دیئے گئے ہیں ۱۲

شکر کا ہم کو گو نہیں یارا   پر یہ ہے کتنا فرض ہمارا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

ہے دِلّی کے فخر کا یہ دن   شہر میں آیا شہر کا محسن
وصف تمہارا گو نہیں ممکن   رہ نہیں سکتے پر یہ کہے بن
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آپ نے ہم پر بھیجے ہیں افسر   کیسے کیسے رعیت پرور
جن سے ہندوستان منور   فخر ہے انگلستان کو جن پر
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آر کلاک احسان کا پُتلا   آدمی کی صورت میں فرشتہ
تھا دِلّی پر فضل خدا کا   تم نے جو دِلّی میں اُسے بھیجا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آب و ہوا سے شہر کی ساری   آئی تھی خلقت جان سے عاری
تم نے لگا کر نل اِک باری   چشمۂ حیوان کر دیا جاری

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

یوں تو ہیں سب احسان مسلّم   سب سے ہے یہ احسان مقدم
بچّے تعلیم میں کم سب سے ہم   تم نے مدد کی اپنی پیہم
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

جوبلی کے جو خاص وظیفے   پانچ برس کو ہم کو ملے تھے
لطف سے میعاد اُن کی بڑھا کے   جیت لئے دِل آپ نے ہم سے
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

مدرسہ تھا بے ٹھور ہمارا   تھا نہ کہیں ٹکنے کا سہارا
مانگے تانگے پر تھا گذارا   مٹ گیا اب غلجان یہ سارا
جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

آپ کو ہم پر رحم جو آیا   گھر یہ عطا ہم کو فرمایا
حکم مرمت کا بھجوایا   ٹوٹے پھوٹے کو بنوایا
جب تک شہر آباد رہے گا   نام تمہارا یاد رہے گا

درس کے کمرے جن میں ہیں اکثر — قدر ضرورت سے کچھ بڑھ کر
بورڈروں کے رہنے کو ہیں گھر — کھیلنے کو میدان ہے سراسر

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

شہر میں جا کالج کو عطا کی — کیں اصلاحیں آب و ہوا کی
شہر کی جو حاجت تھی روا کی — شرط حکومت تم نے ادا کی

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

تم میں ہیں جو موجود فضائل — وہ نہیں کچھ محتاج دلائل
لوگ سب انکے دل سے ہیں قائل — او اسرائیل۔ او اسرائیل

جب تک شہر آباد رہے گا
نام تمہارا یاد رہے گا

اشعار مدحیہ

بحضور سر ڈینس فٹز پیٹرک لفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب۔ انبالہ کے ایک بانی مدرسہ کی طرف سے

قیصر ہند کے ہیں سیکڑوں احساں جہاں — ان کا پنجاب پہ ہے سب سے بڑا یہ احساں
حکمراں آئے ہیں پنجاب میں ابتک جتنے — ہر ایک کا پلہ ہے عدالت میں گراں
جبکہ سر چارلس نے پنجاب کو چھوڑا اس دم — وقت رخصت تھا ہر اک انکو بہ حسرت نگراں

حال جو ہوتا ہے بچوں کا بچھڑ کر ماں سے — یہی احوال تھا پنجاب کا بے وہم و گماں
جانشین اُنکے ہوئے آن کے جب سر لائل — عہد سابق کو گئے بھول سب ابنائے زماں
شکر ہے عہد میں آئس کے تعینی ہو سکتے — رحم و انصاف ہو ذات سے جو انکی عیاں
اُٹھ گیا سر سے جب اِس ملک کے سایہ اِن کا — ہاتھ میں آپ نے لی آکے حکومت کی عناں
کارفرما تھے جب اضلاع میں پنجاب کے آپ — معدلت آپ کی اسوقت سے مشہور ہے یاں
حیدرآباد میں۔ میسور میں۔ کلکتہ میں — نیکنامی کے کئے کام۔ ہے آپ جہاں
ہے یہ اب آپ سے اُمید کہ پنجاب میں بھی — مشکلیں آپ سے سب ملک کی ہونگی آساں
بعد سر لائل و سر چارلس کے سرڈینس بھی — چھوڑ جائینگے ہر اِک دل پہ عقیدت کے نشاں

انگریزی اشعار کا ترجمہ

وہ دل رُبا اُمیدیں جن پر کہ تو ہے شیدا — جب دُور تیرے دل سے ہو جائینگی سراپا
وہ عالم جوانی جس پر کہ تو ہے مفتوں — جائے گا ٹوٹ جس دم اِس کا طلسم سارا
جن دوستوں کی خاطر چھوڑا ہی تونے اِس کو — تھا جو کہ تجھ کو اپنا آرام دل سمجھتا
چل دینگے جب وہ سارے۔ اِن بلبلوں کی مانند — بعد از بہار جو رُخ کرتیں نہیں چمن کا
جب ہو چکے گا آخر یہ عیش کا زمانہ — کون آکے دے گا تجھکو اِسکے سوا سہارا
بے مہریوں سے تونے جس کو کیا ہے غمگین — تیری خبر وہی کچھ لے گا تو آکے لے گا

جس طرح وہ پرندہ جو فصل گل میں جاکر
پھر موسم خزاں میں آکر ہے ہم سے ملتا

دولت اور وقت کا مناظرہ

ایک دن وقت نے دولت سے کہا — سچ بتا تجھ میں ہے فوقیت کیا
تو ہے سرمایۂ عزت یا میں — تو ہے انسان کی دولت یا میں
ہے زمانہ میں بڑی بات تری — دیکھیں، ہم بھی تو کرامات تری
وقت سے ہنس کے یہ دولت نے کہا — تجھ کو اے وقت نہیں عقل ذرا
ہے عجب۔ جس کو خدائی مانے — اُس کی تو خوبیوں میں شک جانے
سبز ہے گلشنِ دُنیا مجھ سے — لیتے ہیں توشۂ عقبیٰ مجھ سے
نام اقبال ہے آنے کا مرے — لقب ادبار ہے جانے کا مرے
مجھ سے پلتے ہیں ہنر نشو و نما — علم بھی ایک طفیلی ہے مرا
لاکھ رکھتا ہو کوئی فضل و کمال — لاکھ رکھتا ہو کوئی حُسن و جمال
خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں۔ مگر — مَیں نہ ہوں۔ تو نہیں کچھ قدرِ بشر
چند روز آگئی میں جس کے کام — زندہ تا حشر رہا اِس کا نام
جس سے مجھ کو نہ سروکار رہا — وہ سدا خوار و نگوں سار رہا
مُنھ ذرا جس کو لگا لیتی ہوں — اُس کی مَیں شان بڑھا دیتی ہوں
چاہتے ہیں مجھے سب خورد و کلاں — پھرتے ہیں دھن میں مری پیر و جواں
گر نہ ہوں میں تو کوئی کام نہ ہو — کسی آغاز کا انجام نہ ہو
کوئی حاجت نہ ہو دُنیا کی روا — درمیاں گر نہ قدم ہو میرا

ہیں رکھائی سے مری سب لرزاں   میرے اغماض سے ڈرتا ہے جہاں
جس سے دُنیا میں نہ مَیں راہ کروں   ہو اگر شیر تو روباہ کروں
الغرض ہے وہ مری شانِ عظیم   کرتے آئے ہیں جسے سب تسلیم
جڑ سمجھتے ہیں ہر شئی کی مجھ کو   میری عظمت نہیں باور تجھ کو
تو بتا فخر ہے تجھ میں وہ کیا   جس نے مجھ سے تجھے گمراہ کیا
وقت نے سُن کے کہا اے دولت   شک نہیں اس میں ذرا اے دولت
ساری تو خوبیوں کی جڑ ہے۔ مگر   اپنی جڑ کی نہیں کچھ تجھ کو خبر
تو جو اپنے پہ ہے نازاں اتنی   اپنی ہستی سے ہے غافل کتنی
کیجیے فرض تجھے گر چشمہ   تو ہوں اس چشمہ کا میں سرچشمہ
میں ہوں یا تو ہے اساسِ امکاں؟   پہلے دریا ہے کہ مچھلی ناداں
تو جو کھیتی ہے تو رقبہ میں ہوں   تو جو موتی ہے تو دریا میں ہوں
ہے قرابہ ترا اگر عطر آگیں   میں ہوں اُس عطر کی وارث یقیں
ہے عبث تجھ کو تفوّق کا خیال   تو ہے گر مال تو میں راس المال
جن کے قبضے میں ہوں میں اے دولت   تجھ پہ رکھتے ہیں وہ دستِ قدرت
لاکھ بار اُن سے اگر بھاگے تو   بڑھ کے جا سکتی نہیں آگے تو
اُن کی مُٹھی میں ہے تو اے دولت   طائرِ رشتہ بپا کی صورت
نہ کہ میں جس کا بدل ہے مفقود   جس کا نایاب ہے عالم میں وجود

کھو کے مجھ کو کوئی پاتا نہیں پھر | جا کے میں ہاتھ سے آتا نہیں پھر
ایک پل میری اگر دیجیے گنوا | لیجیے ہاتھ اُس سے ہمیشہ کو اُٹھا
تو اگر اپنی لٹا دے ثروت | پل وہ ملتی نہیں پھر لے دولت
ہیں اِسی واسطے جو اہلِ تمیز | میری ایک ایک پل اُن کو ہے عزیز
میکے جو لوگ کہ ہیں قدر شناس | ہے مرا جاگتے سوتے انہیں پاس
جانتے ہیں حکما و عرفا | مجھ کو سرمایہ دین و دُنیا
دِل میں جن کی مرے کچھ قدر نہیں | اِن کی قسمت میں نہ دُنیا ہے نہ دین
نہ کوئی کام ہو اُن سے انجام | نہ ارادہ ہو کوئی ان کا تمام
نہ اُنہیں دین کی دولت ہاتھ آئے | اور نہ دُنیا کبھی اُن سے پنپائے
نہ ادا صوم ہوں اُن سے نہ صلوٰۃ | نہ ہو قدرت میں حج اِن کی نہ زکوٰۃ
نہ مدد اُن سے کچھ اپنی کی جائے | نہ خبر اُن سے کسی کی لی جائے
گُن تو ہیں مجھ میں بہت اے دولت | ہے مگر تنگ مجالِ فرصت
بس زیادہ نہیں مہلت مجھ کو | بحث کی اب نہیں طاقت مجھ کو

اِس میں ہے میرا سراسر نقصان
کہ ہے انمول مری ایک ایک آن

ناقصوں کے دعوے کاملوں کے سامنے فروغ نہیں پاتے

بے لیاقت جن میں کچھ قدر قلیل | اور سمجھتے آپ کو ہیں بے عدیل

اُن کو ایسوں سے نہیں مِلنا روا　　جو لیاقت رکھتے ہیں اُن سے سوا
اونٹ اگر سمجھے بڑا اپنے تئیں　　دیکھنا لازم پہاڑ اِس کو نہیں
سر میں ہے جگنو کے یہ سودا اگر　　شے نہیں مجھ سے کوئی تابندہ تر
چاہیئے دِن کو نہ نکلے زینہار　　ورنہ ہوگا اپنے جی میں شرمسار

قطعاتِ تاریخ اور تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

راقم کو فی الواقع مادہ تاریخ نکالنے کا ڈھب نہیں ہے۔ اور اگر کبھی ایسی ضرورت پیش آئی ہے تو نہایت دقت سے اکثر تخرجہ یا تعمیہ کے ساتھ اور کبھی حسن اتفاق سے بغیر اس کے بھی تاریخ سرانجام ہوئی ہے بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ مادہ تاریخ کسی دوست نے نکال دیا اور اس پر صرف مصرعے لگا کر تاریخ کے مالک بن بیٹھے۔ لیکن چونکہ غلطی سے تاریخ گوئی کو جزو شاعری سمجھا گیا ہے۔ اس لئے اکثر طوعاً وکرہاً یاروں کی فرمایش سے اور کبھی کبھی اپنی اُپج سے بھی تاریخیں لکھنی پڑی ہیں +

ایک بزرگ کے پاس لوگ اکثر تعویذ گنڈے کے لئے آیا کرتے تھے ایک دن فرمانے لگے کہ عباسیوں کے عہد میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ لوگ ایک قفل کو بند کر کے اُس کے پاس لے گئے کہ اگر فی الواقع تو خدا کا بھیجا ہوا ہے تو یہ قفل بغیر کنجی کے کھول دے۔ اُس نے کہا بھائی میں نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے آہنگری کا دعویٰ نہیں کیا۔ اُن کا مطلب اس قول سے یہ تھا کہ ہم نے فضل کی طلب میں درویشی اختیار کی تھی یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور سیانا بھی بننا پڑے گا۔ یہی حال ہمارے ملک میں اُن لوگوں کا ہے جو شاعری میں بدنام ہیں۔ وہ اَور تو کسی مصرف کے سمجھے نہیں جاتے اور در حقیقت ہیں بھی نہیں البتہ لوگوں کی غرض کبھی کبھی اُن سے اس قدر متعلق

ہو جاتی ہے۔ جب کوئی مہتم بالشان واقعہ ظہور میں آتا ہے۔ مثلاً کسی کے اصطبل کی مرمت ہوئی یا گھوڑا آختہ کیا گیا۔ یا کسی کی مینا مر گئی۔ یا مرغ پالی جیتا۔ یا بلی نے بچے دیئے ایسے وقت میں شعرا کو مقابلہ کے امتحان کا موقع مِل جاتا ہے۔ جو شخص مادۂ تاریخ فی الواقع یا صاحب فرمایش کے نزدیک سب سے اچھا نِکال لاتا ہے۔ اُس کا فی الجملہ اعتبار بڑھ جاتا ہے راقم چونکہ تاریخ نِکالنے میں سدا سے ہیٹا تھا اِس لئے ہمیشہ اِس امتحان سے کترا تا رہا لیکن بُری بھلی چند تاریخیں جو کبھی کبھی دوستوں یا بزرگوں کی فرمایش یا اپنے دل کی خواہش سے لِکھی تھیں اُن میں سے جس قدر سرِدست بہم پہنچیں دیوان میں شامل کر دی گئیں۔ تاکہ دیوان کے ضروری اخلاط میں سے ایک خلط کم نہ ہو جائے ❖

تاریخ وفات مرزا غالب مرحوم دہلوی

غالب نے جبکہ روضۂ رضواں کی راہ لی
ہر لب پہ آہ سرد تھی ہر دل میں درد تھا
اس دن کچھ اہل شہر کی افسردگی نہ پوچھ
دُنیا سے دِل ہر اپنے پرائے کا سرد تھا
حالی کہ جس کو دعوئ تمکین و ضبط ہے
دیکھا تو دِل پہ ہاتھ تھا اور رنگ زرد تھا
تھا گو وہ اِک سخنورِ ہندوستان نژاد
عرفی و انوری کا مگر ہم نبرد تھا

لہ یہ تاریخ غالب مرحوم کی غزل کے ایک مصرعہ سے نکالی گئی ہے۔ اُن کی غزل کا مقطع یہ ہے۔ یہ لاش بے کفن اسد خستہ تن کی ہے "حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا"۔ اخیر مصرعہ کے اعداد ۲۷۹۶ ہوتے ہیں جب اُن میں سے لفظ تاریخ کے اعداد ۱۲۱۱ اور لفظ فکر کے عدد یعنی ۳۰۰ کا تخرجہ کیا گیا ۱۲۸۵ باقی ہے اور یہی اُن کا سال وفات ہے۔ مختصر صورت تاریخ کی یہ ہوئی ۲۷۹۶-(۱۲۱۱+۳۰۰)=۱۲۸۵ھ ❖

اِس قافلے میں آکے ملا گو وہ سب کے بعد — اگلوں کے ساتھ ساتھ مگر رہ نورد تھا
ہم اور صبح و شام یہ اندوہ جاں گزا — دل تھا کہ فکرِ سال میں بے صرفہ کرد تھا
ناگاہ دی یہ غالبؔ مرحوم نے صدا — سچ ہے کہ خواجہ راہنمائی میں فرد تھا
تاریخ ہم نکال چکے پڑھ بغیرِ بسم — حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا
۱۲۹۶ھ

تاریخ وفات محمد ابراہیم جوان مرگ طالب علم بی اے کلاس دہلی کالج

محمد ابراہیم چوں ترک جان گفت — زنخلِ جوانی ثمر بر نخوردہ
بگفتم زروے الم سال فوتش — بجاں آفریں جانِ شیریں سپردہ
۱۲۹۳ھ ۱۲۹۲ھ

تاریخ وفات سید خواجہ ناصر وزیر مرحوم دہلوی

جب ہوئے ناصر وزیر راہی ملک بقا — سب ہوئے اندوہگین شہر کے برنا و پیر
دل نے کہا ہر جگہ پھبتی ہے چیز اک جدا — باغ میں نسرین و گل، چرخ پہ مہر منیر
عیش میں شعر و غزل سوگ میں تاریخ مرگ — غیب سے آئی ندا "خلد میں ناصر وزیر"

تاریخ طبع جغرافیہ بیمثال مؤلفہ خواجہ سید شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

وہ جغرافیہ جس کی تھی احتیاج — چھپا مژدہ اے طالبان کمال
نئی طرز کا ہے یہ جغرافیہ — عیاں جس سے ہی ربع مسکون کا حال
بلی طرفہ تر اُس کی تاریخ طبع — وہ خود طرفہ ہے جیسے بے قیل و قال
اگر سال ہجری کی ہے جستجو — تو جغرافیہ خود بتاتا ہے سال
۱۲۹۹ھ
ہو مطلوب تاریخ گر عیسوی — کہو اس کو جغرافیہ بے مثال
۱۸۸۲ع

تاریخ بہ پایان رسیدن بنائے سیّد مہربان علی مرحوم رئیس گلاؤٹھی در بلند شہر

علی آن سیّدِ والا کہ باشد | بنامش مہرباں جزوے ز اجزا
بود با ذات او قوام سیادت | چنان کز نام او مہرست پیدا
چو این کاشانہ را بنیاد بنہاد | بعہدِ حاکمِ بیدار و دانا
گروس آن فیض گستر کز وجودش | شد این معمورہ چوں گلشن سراپا
چنیں گفتمش حالی سال تعمیر | مکانِ بے نظیر آباد بادا
۱۲۹۹ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی خان بہادر فرماں روائے ملک دکن

یہ سال فرخ و ماہِ سعید و روز فرخندہ | نظام الملک محبوب علی خان آصف ثانی
بتختِ سلطنت بنشست حالی گفت تاریخش | برائے وے مبارک تاج و اورنگِ جہانبانی
۱۳۰۱ھ

تاریخ تالیف قواعد اردو مولفہ خواجہ شہاب الدین حسن صاحب دہلوی

قواعد ہے یہ اردو کی کہ جس کا | بیان شافی ہے اور ترتیب محکم
کتابیں اس سے پہلے تھیں بہت سی | زیادہ حجم میں اور نفع میں کم
مگر یہ مختصر ہے اک رسالہ | کہ ہیں جس میں قواعد سب فراہم
وجود اس کا ہے گو سب سے مؤخر | یہ خوبی میں ہے اکثر سے مقدم

جو قیمت پوچھے تو ہے بہت سہل　　نہ دینار اس میں لگتے ہیں نہ درہم

اگر نام اس کا تاریخی ہو مطلوب　　تو ہے اے طالبو اکسیر اعظم
۱۳۰۲ھ

تاریخ رحلت نواب ضیاء الدین احمد خان مرحوم دہلوی

دردا کہ ضیاء دین احمد بربست　　رخت سفر از جہاں کہ جائے الم ست

۹۲۹　۱۱۰ ۹
از طاق و ز ایواں و ز بزم جلسا　　بگسست و برحمت الٰہی پیوست
۶۹۴

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب متخلص بہ عاشق

جہاں مرد آزادہ عاشق نیست　　ندا قران خود کس مر او را قریں

نہ صیاد و ہموارہ از حسن خلق　　پے صید آزادگان در کمیں

نہ سحار و پیوستہ ز افسون نطق　　کشد ز آشیان باز و شیر از عریں

ہے بارد از جبہہ اش انبساط　　اگر مہربان ست و گر خشمگیں

نہ بینیش گہ سر کہ بر ابرواں　　نہ یابیش افتادہ چین بر جبیں

دو سال ست کافسوں مہر و وفاش　　ربودست صبرم ز جان حزیں

ولے دیر پیوند ناآشنا　　کہ بودست فارغ ز مہر و ز کیں

ندانم کہ عاشق چہ افسوں دمید　　کہ درباخت خود را بمہرش چنیں

لہ یہ تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ ۹۲۹ میں سے جو کہ ضیاء الدین احمد کے اعداد ہیں ۳۲۱ جو کہ طاق - ایوان بزم اور جلسا کے اعداد کا مجموعہ ہے۔ تخرجہ کر کے باقی ۶۰۸ کو ۶۹۴ میں جو کہ رحمت الٰہی کے اعداد ہیں ملانے سے ۱۳۰۲ حاصل ہوتے ہیں اور یہی نواب مرحوم کا سال وفات ہے، مختصر صورت تاریخ کی یہ ہے ۹۲۹-(۱۱۰+۶۸+۴۹+)۶۰۸×(۶۹۴)=۱۳۰۲ھ -

سررشتہ ہیہات دادم زدست سخن ز آسمان بود رفت از زمین
کنوں راتم از طبع دیوان سخن کہ شد جلوہ فرما بہ نوعے گزیں
دریں روزہا کز حروف زباں سخن شد جہاں و سخنور مہیں
عروسِ سخن می نیرزد بجو بہ حسن ار بود غیرتِ حورِ عیں
صد آباد بر عاشق و عزم او کہ درد و در ناسازگاری چنیں
ز معنی بہ بیگانہ و آشنا فشاند ست گنجینہ از آستیں
چو دیوان اردوئے عاشق کہ ہست صنم خانۂ طرفہ گفتی ز چیں
بہ پیرایۂ طبع آراستند شنید ند از ہر کنارہ آفریں
سخن کش نبود ارزشے در جہاں ز شادی نہ گنجید در پوستیں
چو حالی ہمے جست تاریخ طبع صنم خانۂ عاشق آمد بنیں
۱۳۰۷ھ

تاریخ بنائے چاہ در محوطۂ مدرسۃ العلوم مسلمانان واقع علی گڈھ بحساب سال بعثت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بحسن سعی جناب آنریبل سر سید احمد خاں بہادر

ہدایت کیجئے گر سال ہجرت کی محرم سے تو کہیئے سال بعثت کا مہ شوال کو مبدا
کلام اللہ اترا آخرِ ماہِ مبارک میں ہوا اس واسطے شوال مبدا سال بعثت کا
نکالے یہ مبارک سن جناب سید احمد نے بنایا جس نے دار العلم کا یہ چشمۂ زیبا
زرہ سے سال بعثت چونکہ تھی تاریخ کی خواہش کہا ہاتف نے حالی سے کہ "چشمہ فیض احمد کا"
۱۳۱۲ھ

تاریخ طبع ترجمہ تاریخ دربار قیصری بحساب سال عیسوی

پنجاب کے ادارہ تعلیم عام نے — ایک اور کام ملک کے حق میں کیا ہے خوب
دربار قیصری کی جو تاریخ تھی چھپی — اب ترجمہ اُسی کا مرتب ہوا ہے خوب
ہیں لفظ دلکشا تو مضامین ہیں دل نشین — ہے ترجمہ نفیس تو طرز ادا ہے خوب
چھپ کر ہوا تمام تو حالی نے یوں کہا — "دربار قیصری کا مرقع چھپا ہے خوب"
۱۸۸۲ء

تاریخ بنائے مہمان سرا در موضع مون واقع پنجاب بحساب سال عیسوی

بحر کرم آن وزیر چند کہ باقی ست — نام بزرگان مون ز بذل و نوالش
ساختہ منزل گہے چو بہر غریبان — تکیہ گہ گوہر غریب آمدہ سالش
۱۸۷۷ء

تاریخی جملے مقتبس از قرآن مجید

تاریخ وفات غفران مآب نواب محمد مصطفےٰ خاں مرحوم دہلوی رئیس جہانگیر آباد متخلص بہ حسرتی و شیفتہ

جزاہم بما صبروا جنات وحریرا

اِس آیہ قرآنی میں بما صبروا جنۃ وحریرا ہے۔ چونکہ تاریخ وفات میں ایک عدد کی کمی رہتی تھی اِس لئے جنۃ کی جگہ جنات کر دیا گیا ہے جیسا کہ نواب آصف الدولہ کی مشہور تاریخ میں بجائے فروحٌ و ریحانٌ جنت نعیم کے فہما روحٌ و ریحانٌ جنات النعیم کر دیا ہے۔ چونکہ نواب مرحوم نے مرض الموت میں مرض کے شدائد و آلام بےنظیر صبر و استقلال کے ساتھ برداشت کئے تھے۔ اِس لئے اس آیت کا مضمون اُن کی وفات کے نہایت مناسب تصور کیا گیا۔ یعنی جناب باری نے بعوض اُن کے صبر کے بہشت اور بہشت کا لباس اُن کو عنایت کیا

تاریخ وفات نواب محمد نقشبند خان مرحوم ولد اوسط نواب محمد مصطفےٰ خاں مرحوم رئیس جہانگیر آباد

وَحُلّوا اساور من فِضّۃ

چونکہ عزیز موصوف ایک وجیہ و شکیل آدمی تھے اور اُن کی وفات عنفوانِ شباب میں واقع ہوئی تھی اِس لئے یہ آیت اُن کی تاریخ وفات کے لئے نہایت مناسب اور موزون سمجھی گئی۔ اللہ تعالےٰ اہل جنت کے ذکر میں ارشاد فرماتا ہے کہ پہنائے گئے اِن کو چاندی

کے کنگن" بجائے مضارع کے ماضی کا لفظ استعمال فرمایا گیا ہے۔ گویا اِن کی مغفرت ہو چکی اور اہل جنت کے تمام حقوق اُن کو مل چکے۔

یہ عجب حسن اتفاق ہے کہ باپ اور بیٹے دونوں کی تاریخ وفات قرآن مجید سے برآمد ہوئی۔ اور پھر ایک ہی صورت یعنی سورۂ دہر سے نکلی اور دونوں آئتیں اہل جنت ہی کے ذکر میں واقع ہوئی ہیں +

تاریخ بنائے آئینہ خانہ در ریاستگاہ بھاولپور

کانہ صرح ممرد من القواریر

قرآن مجید میں اصل آیت "اِنَّہٗ صَرۡحٌ مُمَرَّدٌ مِنۡ قَوَارِیۡرَ" ہے تاریخ میں بضرورت تکمیل اعداد اور نیز بمقتضائے مقام انہ کی جگہ کانہ کر دیا گیا ہے۔ مگر چونکہ اس سے بھی اعداد پورے نہیں ہوتے تھے۔ اس لئے قواریر میں الف لام بڑھا کر القواریر کر دیا گیا ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السّلام کے ہاں جب سبا کی بادشاہزادی بلقیس اوّل ہی دفعہ وارد ہوئی تو اُن کو شیش محل کے صحن پر جس میں آئینے لگے ہوئے تھے یہ گمان ہوا کہ گویا پانی بھرا ہوا ہے اُس نے فوراً پائینچے چڑھا لئے حضرت سلیمان نے کہا انہ صرح ممرد من قواریر "یعنی یہ تو ایک محل ہے جس میں شیشے جڑے ہوئے ہیں۔ تاریخ بنا میں انہ کی جگہ کانہ کر دینے سے یہ معنی ہو گئے کہ گویا یہ وہی سلیمان کا شیش محل ہے +

یہ تاریخ ایک دوست کی فرمایش سے جو اُس وقت بہاولپور میں ملازم تھے بھیجی گئی۔ مگر ایسا سُنا گیا تھا کہ پسند نہیں آئی۔ نہ اس لئے کہ اس میں دو جگہ اپنی طرف سے تصرف کیا گیا ہے بلکہ اس لئے کہ نواب صاحب کا نام اس میں نہیں تھا۔

تاریخ ولادت فرزند در حرم سرائے نواب آسمان جاہ بہادر مدار المہام سرکار عالی

لِحَاشَ اللّٰہ مَا ھٰذَا بَشَرًا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْم

اس آیت سے سنین مطلوبہ یعنی ۱۳۰۰ھ اس طرح نکلتے ہیں کہ آیت کے جملہ اولیٰ یعنی لحاش اللہ ما ھٰذا بشرًا کے اعداد ۱۶۵۴ ہیں۔ ان میں سے ھٰذا کا تخرجہ اور ملک کریم کا بجائے اُس کے تعمیہ کرنے سے ۱۳۰۰ حاصل ہو جاتے ہیں تخرجہ و تعمیہ کا اشارہ گویا ان ھٰذا الا ملک کریم سے نکلتا ہے۔ کیونکہ اس جملے کا ترجمہ اگر یوں کیا جائے کہ نہیں ہے "ھٰذا" مگر ملک کریمؔ تو اس سے یہ مطلب ستفاد ہوگا کہ اوپر کے جملے میںؔ ھٰذا کی جگہ ملک کریمؔ رکھ دو اور اس طرح ۱۳۰۰ حاصل ہو جائیں گے۔

اصل آیت میں حاش اللہ ہے بضرورت لام اضافہ کر کے لحاش کر دیا گیا ہے آیت کا ترجمہ یہ ہے (حاشا اللہ یہ بشر نہیں ہے یہ تو ہو نہ ہو کوئی معزز فرشتہ ہے) جو عورتیں زلیخا کی فریفتگی پر اُس کو ملامت کرتی تھیں۔ جب حضرت یوسفؑ دفعۃً ان کے سامنے آئے تو اُس وقت جو الفاظ اُن کے مُنہ سے نکلے تھے۔ اُن کو قرآن میں اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

تاریخ وفات مہین برادر راقم جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر

سلٰمٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

یہ تاریخ برادر زادہ راقم حافظ اخلاق حسین سلمہ تعالیٰ نے اپنے والد مرحوم کی وفات سے چند روز بعد عین تلاوت کے وقت قرآن مجید سے اقتباس کی تھی جس سے بے کم و کاست سال وفات برآمد ہوتا ہے چونکہ یہ مادہ ندرت سے خالی نہ تھا اسلئے بوجہ اتحاد کے اپنی تاریخوں کے ساتھ اس تاریخ کو بھی شامل کر لیا گیا ہے یہ تاریخ برادر مرحوم کے سنگ مرقد پر جو کہ دلی میں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ کے جوار رحمت میں واقع ہے کندہ ہے ۔

قطعات تاریخ از نتائج طبع جناب خواجہ امداد حسین مرحوم متخلص بہ مظہر

چونکہ برادر مرحوم کی بہت سی تاریخوں میں سے یہ قطعے باقی رہ گئے تھے اور انکی اشاعت کے لئے کوئی اور موقع نہ تھا اس لئے بطور یادگار ان کو بھی اپنے دیوان میں شامل کر لیا گیا ہے

تاریخ وفات جناب مولانا قلندر علی زبیری پانی پتی غفر اللہ لہ متخلص بہ عالم

آں قلندر علی وحید زماں ۔۔۔ در نجات زبیری و سندی

خاک پانی پت از سکونت او ۔۔۔ در جہاں شد علم بہ مستندی

مرد و با خویش برد حکمت و علم ۔۔۔ ماند خلقے بہ کوئے نابلدی

جز دل او کہ بود جملہ صفا ۔۔۔ نقد ہر کیسہ جید ست و ردی

جز کتابش[1] کہ بد ہمہ حسنات ۔۔۔ درج ہر نامہ نیکی ست بدی

---

[1] کتاب سے مراد نامۂ اعمال ہے ۱۲

گفت سال وفات او مظہر رفت عالم[1] بہ جنت ابدی
۱۲۹۲ھ

تاریخ وفات حافظ سعد اکبر مرحوم بانی مدرسہ اسلامیہ پانی پت

چو سعد اکبر آں یاری گر قوم کہ مر اہل وطن را بود یاور
سوئے جنت ز دنیا رخت بربست ازیں غم تافت دلہا ہمچو آذر
دریغ آن نیک خواہ جملہ احباب دریغ آن غمگسار ہر برادر
دریغ آن درس گاہ اہل اسلام کہ ماند از مرد نش بے برگ و بے بر
چنیں سال وفاتش یافت مظہر شدہ جنت مقام سعد اکبر
۱۳۰۰ھ

تاریخ اورنگ نشینی حضور نواب آصف جاہ نظام الملک میر محبوب علی خان بہادر دام اقبالہ فرمانروائے دکن

شاہ دکن چوں نہاد حسب مراد عباد افسر دولت بہ فرق پائے براورنگ داد
سال جلوسش خرد گفت کہ بے سر شدہ فتنہ و فسق و فجور شر و فریب و فساد

ایضاً

عیاں شد چو عید جلوس نظام بسے خوشتر از عید وصل حبیب
غرو فرق اعدا تراشیدہ گفت کہ نصر من اللہ و فتح قریب
۱۳۰۰ھ

تاریخ ولادت فرزند ارجمند در کاشانۂ اقبال حضور نظام دام اقبالہ

شد چو خورشید و شرف طالع بمشکوی نظام قدسیاں گفتند شمع ملک و دولت آمدہ

---

[1] مولوی قلندر علی مرحوم عالم تخلص کرتے تھے ۱۲

مظہر اندر فکر تاریخ ولادت رفتہ بود　　عقل گفت این لعل از کان شرافت آمدہ

تاریخ مدار المہامی نواب میر لائق علی خان مرحوم در سرکار عالی ۱۳۰۱ھ

دوش کردم ز عقل چند سوال　　کو ست حلال مشکلات عقد
گفتمش کے بود کہ شاہ دکن　　بنشیند بہ مسند آب و جد
گفت جشن جلوس فرخ او　　در ہزار ست و سی صد و احد ۱۳۰۱
گفتمش پس کہ باشدش دیوان؟　　قرعہ بر لائق علی خان زد
گفتمش سنگہا درین راہ ست　　گفت زودا کہ حق بخواجہ رسد
گفتمش خواجہ کے شود دیوان؟　　گفت حق تا رسد بمرکز خود"

تاریخ بناء مرمت مسجد مولینا حاجی ابراہیم حسین صاحب انصاری اثنا عشری پانی پتی دام ظلہم العالی ۱۳۰۱

جعفری مذہبے بنا فرمود　　بیت حق را کہ اعظم ست قدیم
خبرش داد ملہم صادق　　کرد تعمیر کعبہ ابراہیم

؎ بانی مسجد یعنی مولانا ابراہیم حسین صاحب کے والد کا نام اعظم علی اور ان کے چچا کا نام جعفر علی اور دادا کا نام صادق علی یہ تینوں نام اور خود بانی کا نام قطعہ تاریخ میں نہایت خوبی سے آیا ہے +

تمام شد

محمد شریف کاتب
ایمن آباد

[illegible]
مجلد [illegible] ۱۲/
[illegible] مرزا غالب ۱۲/
مع مقالات حیدری [illegible]
[illegible] حسین علی خان [illegible]
[illegible] البلاغت ۔ ۱۲/
[illegible] کشائے ناصری ۱۲/
[illegible] الفضل اوّل سوم ۱۲/
[illegible] دفتر اوّل ۔ از منشی
وجاہت حسین صاحب
[illegible] سے منشی فاضل ۱۲/
[illegible] القاب ۱۲/
ترجمہ ۱۲/
[illegible] بلالی از
حاجی محمد الدین صاحب مرحوم
[illegible] شعر العجم
[illegible] قیمت ۔ ۱۲/

اور جلد دوم شعر العجم
[illegible] قیمت ۔ ۱۲/
یادگار غالب ۔ غالب کی
زندگی کے حالات اور اُن کے
کلام پر محققانہ ریویو مولنا
حالی قیمت تین روپے ۱۲/
ترجمہ غزلیات نظیری ۔ از
جناب محمد عنایت اللہ صاحب
پروفیسر گارڈن کالج
راولپنڈی قیمت ۱۲/
آیات وجدانی مجموعہ کلام
مرزا یاس یگانہ لکھنوی
قیمت بلا جلد ۱۲/ مجلد سنہری [illegible]
خمکدہ خیام ۔ عمر خیام کی
ایک ایک رباعی کا ترجمہ
رباعی میں آغا [illegible] دہلوی
بہترین [illegible]

اہتمام سے شائع کیا گیا
ہے قیمت مجلد سنہری [illegible]
بانگ درا ۔ مجموعہ کلام
حضرت علامہ سر اقبال بلا جلد [illegible]
مجلد سنہری ۔ [illegible]
دیوان حالی ۔ مولانا
حالی مرحوم کا دیوان
مع قطعات وغیرہ ۱۲/
دربار اکبری ۔ مولانا
آزاد مرحوم کی مستند
مشہور تصنیف ۔
قیمت بلا جلد ۔ [illegible]
مجلد سنہری ۔ [illegible]

ملنے کا پتہ ۔
شیخ مبارک علی
تاجر کتب اندرون
لوہاری دروازہ لاہور

[illegible]

[illegible] حضرت [illegible]

[illegible]

مقدمہ دیوان غالب [illegible]

خاتمہ [illegible]

[illegible]

वीर सेवा मन्दिर
दिल्ली

★

क्रम संख्या
काल नं०
खण्ड